اے دلربا تیرے لئے

شوکت
تھانوی

www.taemeernews.com

اے دلربا تیرے لئے

شوکت تھانوی

Ey Dilruba Tere Leeye
By
Shaukat Thanvi
Year of Publication 1998
Price .....Rs. 70/-

Publishers
Ahluwalia Book Depot
9988 New Rohtak Road
Gali No.6, Sarai Rohilla
Post Box No.2507
New Delhi-110005
Phone No. 5740142

پبلشرز
آہلووالیہ بکڈپو
9988 ـــــ نیو روہتک روڈ
گلی نمبر 6 ـــــ سرائے روہیلا
پوسٹ بکس نمبر 2507
نئی دہلی نمبر 110005

www.taemeernews.com

فہرست

اے دلربا تیرے لئے
آزادی کا شوق
لیاقت نہرو معاہدہ
مشاعر
بخیال خویش خبطے
جنس ہنر بیچتا ہوں
کافی
میں ایک شاعر ہوں
ان کی سسرال
اے روسیاہ تجھ سے تو

www.taemeernews.com

جگر کے مریض
سوکا نوٹ
سسرالی رشتہ دار
میں میراجی کو نہیں جانتا
اپنے مضامین اپنی نظر میں
ہم زلف بکرا
خان بہادر صاحب
بوہنی میں السیٹ
کرکٹ میچ

www.taemeernews.com

اے دلربا تیرے لئے

شاعر چلغوزے کھا رہا تھا ــــ،
سامنے کی چھت پر اس کی محبوبہ گنّا چوس رہی تھی ــــ،
اور دونوں کے درمیان ایک گہری اور تنگ گلی حائل تھی۔ وہ سنگ دل گلی جس کی گہرائیاں صرف روپے سے پاٹی جا سکتی تھیں۔ شاعر کے افکارِ عالیہ اس خلیج کو پر نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ دنیا ابھی اتنی فن شناس نہیں ہوئی ہے کہ وہ اس چلغوزے کھانے والے اور کان پر بجھی ہوئی بیڑی رکھنے والے فن کار کی منزلت کا اندازہ کر سکے۔"

وہ اپنی محبوبہ کی شان میں ہر روز ایک نئی نظم کہتا اور خود ہی اس کے ترنم میں ہچکولے کھا کر رہ جاتا۔ کاش اس کی محبوبہ کا ناشناس باپ عرائض نویس ہونے کے علاوہ تھوڑا بہت سخن فہم بھی ہوتا۔ اور اس بات پر فخر کر سکتا کہ اتنا بڑا فن کار خود اس کی دختر کو موضوعِ شعر بنائے ہوئے ہے۔ مگر نہ سخت کور ذوق تھا، ناک کی پھننگ پر عینک لٹکائے ہوئے دن بھر کچہری کے احاطہ میں عرائض نویسی کرتے کرتے اس میں لطافت کی حس ہی باقی نہ رہی تھی۔

مگر شاعر کو نہ آغاز کا کبھی پتہ چلا اور نہ انجام کی فکر نے کبھی ستایا۔ اس کو تو کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا اس کا مقصدِ حیات صرف یہ ہے کہ اپنی محبوبہ

www.taemeernews.com

کو دیکھے اور اپنے افکار کو اس کے تصور سے جگمگاتا چلا جائے۔ آج اس نے اپنی محبوبہ کو پہلی مرتبہ کتنا چوستے دیکھا۔ چلغوزے کھانے کی رفتار پہلے دھیمی پڑی پھر یکایک تیز ہو گئی اور آخر اس نے مٹھی بھر چلغوزے ایک طرف رکھ کر کان پر لگی ہوئی بیڑی سلگائی۔ اس وقت شعریت اس کے جذبات میں انگڑائی لے رہی تھی۔ اس کو محسوس ہوا کہ عرش سے اس کے لئے سامانِ نو آرہا ہے اور فلک کے دروازے اس پر کھل گئے ہیں اس نے جھوم کر قلم اٹھالیا۔ کچھ گنگنایا۔ کچھ سر دھنا اور یکایک ایک ڈھلا ہوا مصرعہ صفحۂ قرطاس پر آگیا۔ ع

" اف بنت نے شکر تری شکر فروشیاں

وہ گنگناتا رہا جھومتا رہا سر دھنتا رہا۔ بیڑی پر بیڑی پیتا رہا۔ یہاں تک کہ دوسرا مصرعہ نازل ہوا۔ اور مکمل شعر صفحۂ قرطاس پر ذی روح نظر آنے لگا۔ ے

اف بنت نے شکر تری شکر فروشیاں

شیریں تری نگاہ ہے میٹھی تری زباں

اور اس نے جلدی جلدی دو تین چلغوزے کھائے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی محبوبہ کا گنا ختم ہونے سے پہلے نظم مکمل ہو جائے وہ ٹہل ٹہل کر اپنا شعر گنگنا رہا تھا کبھی کسی لے میں کبھی کسی دھن میں کہ وہ یکایک آنکھ بند کر کے کھڑا ہو گیا کچھ بڑبڑایا کچھ سر کو جھٹکا دیا پھر کچھ گنگناتا ہوا دوڑا کاغذ کی طرف اور دوسرا شعر کاغذ پر لکھ دیا۔ ے

ہر اک ادا میں رس ہے ہر اک بات میں مٹھاس

کیوں تلخیوں کا پھر ہو گذر تیرے آس پاس

اور اب سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گیا۔ یہ علامت یا تو الہام کی تھی یا واقعی اس کا جی متلا رہا تھا۔ پنسل سے اس نے ایک بطخ کی تصویر بنائی جو کچھ خرگوش سے ملتی جلتی تھی اور یکایک پنسل رکھ کر اس نے پھر بیڑی کے دم لینا شروع کر دیئے۔ یہاں تک

www.taemeernews.com

کہ اس کو پھر قلم اٹھانا پڑا۔ اور بیڑی کا ایک لمبا کش لے کر کاغذ پر اس طرح دھواں چھوڑا کہ اسی پرزے میں تیسرا شعر بھی کاغذ پر منتقل ہو گیا جو دھواں چھٹنے کے بعد پڑھا جا سکا۔ ؎

شہد و شکر سے بڑھ کے ترا ہر خیال ہے
پھر بھی میں تلخ کام ہوں یہ بھی کمال ہے

اس نے تینوں شعر جھوم جھوم کر سلسلہ وار اپنے خاص ترنم میں پڑھے اور تیسرے شعر کے بعد ہی اس نے قلم اٹھا کر چوتھا شعر بغیر بیڑی پیے لکھ دیا ؎

تیرے لئے مٹھاس زمانے کی اور رس
مجھ تلخ کام کے لئے غم تیرا اور بس

نظم اب مکمل تھی اور اس کی محبوبہ کا گنا بھی ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اٹھی، اپنا دوپٹہ جھاڑا چھپاتے ہوئے ہاتھ اپنے گھنیرے بالوں پر پھیرے اور ایک ٹانگ سے اچکتی ہوئی کوٹھے سے نیچے اتر گئی۔ شاعر نے ایک آہ سرد بھری۔ اپنے اشعار پر نظر ڈالی اور آسمان کی طرف حسرت سے تکنے لگا کہ اے چرخ ستمگار دیکھ لیا تو نے کہ ان آبدار موتیوں کا مول کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ لعل و جواہر یوں ہی انمول پڑے کنکر پتھر کی طرح بیکار رہیں گے۔ وہ سوچتا رہا۔ دیر تک سوچتا رہا۔ اس کا سلسلۂ خیال دور دور بلکہ اس سے بھی دور تک جا پہنچا۔ اور جب وہ دو لڑتی ہوئی چڑیوں کے اپنے سر پر گرنے کی وجہ سے چونکا تو اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ وہ طے کر چکا تھا کہ اپنی محبوبہ کو حاصل کرنے کے لئے وہ روپیہ بھی جمع کرے گا۔ جو کبھی میرا موضوع نہیں رہا ہے۔ میں جنس ہنر بیچوں گا۔ میں قصیدے لکھوں گا۔ میں بڑے بڑے لوگوں کے مرنے کا انتظار کروں گا تاکہ ان کی وفات کے تاریخی قطعے نظم کروں۔ میں ہر صبح پیدائش و اموات کے میونسپلٹی والے منشیوں سے ملا کروں گا

www.taemeernews.com

تاکہ معلوم ہو سکے آج بڑے آدمی کے یہاں ولادت ہوئی ہے تاکہ تہنیتی نظم لکھوں۔ اور اب میں مشاعرے میں جانے کی تمیز لیا کروں گا۔

شاید شاعر کی دعا قبول ہو گئی۔ اسی وقت کسی نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور شاعر بیڑی بجھا کر کان پر لگاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ آنے والے ایک مشاعرے کے منتظمین تھے جو اپنے مشاعرے کے لئے شاعروں کی بھرتی کرنے نکلے تھے۔ لمبے لمبے لفافے ان کے ہاتھ میں اور بکھرا ہوا تبسم ان کے چہروں پر۔ شاعر نے اپنے دروازے کے سامنے ہی گلی میں ان کا خیر مقدم کیا۔ ایک صاحب نے کارڈ پیش کرتے ہوئے بڑے انکسار سے فرمایا:۔

"یہ مشاعرہ بڑی تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ پچھلے سال اس مشاعرے میں صرف مقامی شاعر آئے تھے مگر اس مرتبہ اطرافِ عالم سے مشاہیر شعراء تشریف لا رہے ہیں۔ چائے کا انتظام بھی پر تکلف ہوگا۔ پچھلے سال شعراء کو چائے میں شکر کی کمی کی شکایت رہ گئی تھی۔ لہٰذا اب کے ہم نے خاص کوٹا حاصل کر لیا ہے شکر کا اور سگریٹ بھی اب کے ہماری مجلسِ انتظامیہ نے طے کیا ہے کہ کم سے کم پاسنگ شو ضرور ہو ——"

دوسرے صاحب نے فرمایا "طرحیں ایک درجن ہیں اور اس کا بھی آپ کو اختیار کہ جس طرح کا ہے قافیہ جس طرح میں رکھ لیں۔ پھر بھی اگر زحمت ہو تو طیر طرح ہی سہی۔"

تیسرے صاحب کیوں چپ رہتے وہ بھی بولے "کوشش کی گئی ہے کہ اس مرتبہ سامعین سے شعراء کی تعداد بڑھنے نہ پائے۔ صرف اُن ہی شاعروں کو پڑھنے کی اجازت دی جائے گی جو یا تو مدعو ہوں یا اپنے اپنے حلقہ کے پولیس اسٹیشن سے اس بات کی تصدیق کرا کے لائیں کہ ان کا کلام مالِ مسروقہ نہیں ہے۔

www.taemeernews.com

اور وہ واقعی شاعر ہیں۔ مگر آپ کے لئے یہ قید نہیں ـــــ آپ تو ماشاء اللہ مانے ہوئے ہیں۔"

شاعر نے بہت غور سے سب کچھ سُنا مگر وہ اب طے کر چکا تھا کہ بغیر فیس کے کسی مشاعرے میں نہ جائے گا۔ اس وقت اس کی نگاہوں میں اس کی محبوبہ کا تصور رقص کر رہا تھا۔ اُس نے بڑی متانت سے کہا۔

"آپ کی اس دعوت کا شکریہ مگر میں اپنا ایک اصول بنا چکا ہوں کہ شاعر کے وقت کی بھی آخر کچھ نہ کچھ قیمت ہوتی ہے ـــ"

ان لوگوں نے کورس میں کہا۔ "قیمت؟"

شاعر نے کہا "جی ہاں قیمت۔ اور میں طے کر چکا ہوں کہ بغیر کچھ لئے کسی مشاعرے میں نہ جاؤں گا۔"

ایک صاحب نے کہا۔ "مثلاً ـــ"

شاعر نے اب تک خود اپنا نرخنامہ مرتب نہ کیا تھا۔ نہ ڈسکاؤنٹ کے قواعد مرتب تھے۔ نہ کمیشن کے اصول مقرر، پھر بھی اس نے اس طرح کہا گویا سب کچھ طے ہے۔

"دیکھئے اگر آپ آمد و رفت کے لئے سواری کا خود انتظام فرمائیں تو صرف شرکتِ مشاعرہ کا ہدیہ میں دس روپیہ قبول کرلوں گا بشرطیکہ مجھ سے صرف ایک ہی غزل یا نظم سُنی جائے۔ اور اگر ایک سے زیادہ چیزیں مجھے سنانا پڑیں تو فی نظم یا غزل پانچ روپیہ مزید۔"

ایک صاحب نے کچھ ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "مگر قبلہ جیسا کہ آپ کو اس کارڈ سے معلوم ہوگا یہ مشاعرہ تو یتیم خانے کی طرف سے ہو رہا ہے۔"

دوسرے صاحب بولے: "صرف کارڈوں کی چھپوائی کا بار اس قدر زیادہ

www.taemeernews.com

ہے کہ آئندہ سے غالباً ہم لوگ سلیٹ پر دعوت نامہ لکھ کر گشت کرا دیا کریں گے۔

تیسرے صاحب نے کہا "مشاعرے میں ٹکٹ ضرور رکھا ہے تاکہ یتیموں کی کچھ امداد ہو جائے مگر بے شمار لوگ بیرنگ بھی آجائیں گے۔"

شاعر نے اپنے اصول پر سختی سے قائم رہ کر کہا "درست ہے مگر اصول بھی کوئی چیز ہے۔"

ایک صاحب نے دوسرے صاحب سے کچھ سرگوشی کرنے کے بعد کہا۔

"اچھا قبلہ تھوڑی سی ترمیم فرما ہی دیجئے اپنے اصول میں۔"

شاعر تو نا امید ہو چکا تھا اس نے جلدی سے کہا "ہاں ہاں فرمائیے۔"

وہی صاحب بولے "ہدیہ دس کے بجائے پانچ رکھئے۔ البتہ اگر ایک سے زیادہ چیزیں آپ سے سنی گئیں تو فی غزل یا نظم دس روپے رکھ لیجئے۔"

شاعر نے کہا "مگر اس میں تو آپ کا نقصان ہے۔"

وہ صاحب بولے "جی نہیں ہم اپنے مشاعرے کا رنگ سمجھتے ہیں اس لئے ہم صرف یہی ترمیم بلکہ آپ کے اصول میں ذرا سا رد و بدل چاہتے ہیں۔"

دوسرے صاحب بولے "اور قبلہ اتنی رعایت اور دیجئے کہ سواری کا انتظام خود ہی فرما لیجئے۔"

شاعر ممکن تھا انکار کر جاتا کہ اس کی محبوبہ کا تصور رنگ برنگے بھونروں کے سامنے رقص کرنے لگا۔ لہٰذا وہ راضی ہو گیا۔ منتظمین نے پانچ روپے کا نوٹ شاعر کے ہاتھ پر رکھا اور شاعر سے رسید لکھوا کر رخصت ہو گئے۔

اب شاعر خوش تھا۔ اس نے اپنی شاعری کی پہلی کمائی کی تھی اور اب اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اگر یہی رفتار رہی تو اس کی محبوبہ اس سے بہت

www.taemeernews.com

دنوں تک بچھڑی نہیں رہ سکتی۔ اس گہری اند تنگ گلی کو مشاعروں کی یہ آمدنی پاٹ کر رکھ دے گی۔ اور وہ اپنی محبوبہ سے ایک ہی سطح پر مل سکے گا۔

مشاعرے کے دن شاعر نے دن بھر کپڑے دھوئے اور جوتے کو ٹھیک کرایا۔ شام کو وہ اپنی بیاض لے کر چار میل کی چہل قدمی کرتا ہوا مشاعرہ گاہ تک اس حالت میں پہنچا کہ جوتے کی تمام مرمت کی قلعی کھل چکی تھی۔ مشاعرے کا پنڈال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شاعر کو منتظمین نے شعراء کی صف میں پہنچا دیا۔

اور مشاعرہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں شاعر کا نام پکارا گیا اور وہ ایک خاص وقار سے اٹھ کر مائیکروفون تک آیا۔ تمام پنڈال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ شاعر نے گلا صاف کر کے مائیکروفون میں منہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"حضرات میری نظم کا عنوان ہے۔ "ایک حسینہ کو گنا چوستے دیکھ کر"

حاضرین نے قیامت خیز تالیاں بجائیں اور چند اوباش قسم کے لوگ ہنس بھی دیئے۔ ایک آواز آئی ۔۔۔

"کیا گنڈیری والے جمع کئے ہیں۔"

جناب صدر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"خاموش! حضرات خاموش!!"

شاعر نے بڑے ہی لحن سے نظم شروع کی۔ ع

اُف بنتِ نے شکر تری شکر فروشیاں

اور پنڈال قہقہوں سے گونج اٹھا۔ شاعر نے اس طوفان کے تھمنے کا انتظار کرنے کے بعد کہا۔

"حضرات میں آپ کے سامنے نہ کوئی تماشہ دکھا رہا ہوں نہ کوئی لطیفہ عرض کر رہا ہوں۔ پھر اس ہنسی کے معنی آخر کیا ہیں؟"

www.taemeernews.com

ایک آواز آئی ۔ "اُف بنتِ نے شکر ۔۔۔"

پنڈال پھر قہقہوں سے گونج اٹھا منتظمین میں سے ایک صاحب نے شاعر کے قریب آکر کہا۔

" آپ کوئی غزل شروع کر دیجئے !"

شاعر نے کڑے تیوروں سے کہا۔ جناب والا! میں غزل گو شاعر نہیں ہوں۔ اور اب تو میں کچھ بھی پڑھنا نہیں چاہتا۔ "

منتظم صاحب بولے۔ "یہ ویسے آپ کی مرضی مگر آپ تو منہ مانگا معاوضہ بھی لے چکے ہیں۔ "

اور شاعر کی نگاہوں کے سامنے اس کی محبوبہ کا تصوّر پھر رقص کرنے لگا۔ اس نے حاضرین کے شور کی پرواہ کیئے بغیر اپنی نظم بڑے جوش و خروش سے شروع کر دی، تالیوں اور قہقہوں کی قیامت برپا تھی مگر شاعر نظم پڑھ رہا تھا۔ اس لئے کہ اب وہ پانچ کا نوٹ واپس نہ کر سکتا تھا۔ اس میں سے کچھ صرف ہو چکا تھا۔ اور باقی سے اس کو اس گہری اور تنگ گلی کی خلیج کو پاٹنا تھا جو اس کے اور اس کی محبوبہ کے درمیان حائل تھی۔

جس وقت شاعر نظم پڑھ کر واپس آیا ہے، وہ پسینہ میں شرابور تھا۔ منتظمین اس کو دانت پیس پیس کر گھور رہے تھے۔ اور جناب صدر نے تو کئی مرتبہ نظم خوانی کے دوران یہ ارادہ کیا تھا کہ شاعر کے منہ پر پٹی باندھ کر پنڈال سے باہر نکال دیں۔

www.taemeernews.com

مگر اب مشاعرہ کا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ نہایت سکون سے ایک صاحب کی غزل سنی جا رہی تھی اور شاعر پانچ روپے کے بار سے ہلکا ہو کر جیب سے نکال نکال کر چلغوزے کھا رہا تھا۔ اس کی محبوبہ اس کے تصور میں گنّا چوس رہی تھی۔ اور اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ درمیانی گلی کا خلاء تھوڑا بہت پُر ہو چکا ہے۔

www.taemeernews.com

آزادی کا شوق

میں آپ سے عرض کروں کہ مجھ کو آزادی کا پہلے پہل کب شوق ہوا ہے؟

یہ ایک تفصیل طلب واقعہ ہے۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ یہ تفصیل پیش کر ہی دوں۔ خواہ آپ زندگی سے یا کم از کم مجھ سے بیزار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ مگر ہو جانے دیجئے میرا یہ شوق پورا۔

بات اصل میں یہ ہے کہ میں ذرا اپنے سسرال جا رہا تھا۔ سسرال سے میرا مطلب یہ ہے کہ میری شادی تو خیر اب تک وہاں ہوئی نہیں، مگر نسبت بالکل طے تھی اور میری آؤ بھگت بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہوگی کہ جس شخص کی شادی ہونے والی ہوتی ہے۔ وہ خواہ کتنا ہی زمین پر چلے مگر پیر آسمان پر ہی پڑتے ہیں۔ بات یہ ہے نا کہ اس کو ایک دم یہ احساس ہوتا ہے کہ آخاہ ہم بھی کسی قابل ہیں۔ پھر سسرال والے کچھ اس طرح دیدہ و دل فرش راہ کرتے ہیں کہ اگر آدمی ذرا بھی بیوقوف ہو تو پیغمبری کا دعویٰ کر بیٹھے۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ اسی قسم کے اشرف المخلوقات ہونے کے وہم میں ان دنوں میں بھی مبتلا تھا۔ اور یہاں سے ڈھونڈ کر سسرال پہنچا کرتا تھا۔ جامہ زیبی بھی اس زمانے میں مجھ پر ختم تھی۔ آرائش جمال کیلئے

www.taemeernews.com

کیا کیا جتن کئے جاتے تھے۔ اور مقصد ہوتا تھا صرف یہ کہ ہونے والی سسرال جانا ہے۔ خیر یہ تو بات سے بات نکل آئی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ میں ذرا سسرال جا رہا تھا۔ بال بال موتی پروے سولہ سنگھار بتیس پٹار کئے کہ ایک چورا ہے پر معمولی سے ایک کانسٹبل نے ہاتھ پھیلا کر مجبور کر دیا کہ بائیسکل سے اتر پڑوں کاش یہ کانسٹبل ذرا میری ہونے والی سسرال تک زحمت کرتا اور اندازہ کر سکتا کہ جس عظیم المرتبت شخصیت کو اس نے اس رعونت سے روکا ہے وہ کس پایہ کا انسان ہے۔

بہرحال سائیکل سے اترنا پڑا۔ اور اب اس روکے جانے کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ دور سے ایک ولایتی گورا اپنی بائیسکل پر آ رہا تھا۔ کیوں صاحب کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ مجھ کو گزر جانے دیا جاتا۔ اور اس گورے کو جو اپنی سسرال بھی نہیں جا رہا تھا۔ روک لیا جاتا؟ بائیسکل سے اترنے کے زندگی میں پہلی مرتبہ اس خیال نے انگڑائی لی۔ کہ یہ گورا مجھ سے زیادہ معزز ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں میری حیثیت صرف یہ ہے کہ میں اس کے لئے روکا جاؤں۔ اس لئے کہ میں غلام ہوں اور وہ آقائی کرنے والی قوم کا ایک فرد ہے۔ خیال تو بڑا باغیانہ تھا مگر اس کانسٹبل بیچارے کو کیا معلوم کہ یہ راہ گیر اس وقت اس قسم کی باتیں سوچ رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ جب وہ گورا نہایت بازاری انداز سے سیٹی بجاتا ہوا اپنی بائیسکل پر گزر گیا۔ تو کانسٹبل صاحب نے گھوم کر مجھ کو بھی اس ادا سے گزرنے کا اشارہ کیا گویا سرکار گزر گئے ہیں۔ اب درباری بھی سڑک پار کر سکتے ہیں، میں سڑک تو خیر پار کر گیا۔ مگر اب دماغ میں اسی قسم کے خیال ابل رہے تھے۔ کہ سات سمندر پار کی قوم یہاں آ کر ہم پر اس طرح حکومت کرے کہ ہماری ہی سڑک۔ ہمارا ہی بھائی کانسٹبل اور حکم چل رہا

www.taemeernews.com

ہے اس گورے کا۔ مقدر ہے وہی منہ سے سیٹی بجا بجا کر بائیسکل چلانے والا گورا جس کی چقندر نما بانہوں پر اودے اودے خوفناک سانپ اور اژدہے گدے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود کیا دبدبہ تھا۔ کیا خود اعتمادی تھی۔ اور کس فاتحانہ شان سے گزرا ہے۔ اور کس غلامانہ عجز سے مجھ کو دیکھنا پڑا ہے۔ اس کا یہ تحکم۔ کچھ غصہ کچھ غیرت اور زیادہ تر حماقت میں مبتلا۔ احتجاجاً بائیسکل پر سوار نہیں بلکہ بائیسکل کو ٹہلاتا ہوا ان خیالات میں چلا جا رہا تھا۔ کہ ادھر سے آنکلا ایک جلوس نعرے بلند کرتا ہوا۔ بن کے رہے گا پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان؛ ایک سنو آغاز۔ سبز پوش، سبز علم لئے ہوئے صاحب میرے قریب ہی آکر جان پر کھیل کر چیخے۔ آزادی۔ اور بیشمار آوازوں نے ایک آواز میں کہا۔ یا موت۔ چوٹ کھایا ہوا دل تو تھا ہی۔ میں نے بھی دل ہی دل میں کہا۔ واقعی آزادی یا موت؛ اور اس آزادی یا موت نے ایسا گھیرا۔ کہ اب میں بھی اس سمندر میں ایک قطرہ بن کر گر آیا۔ اور سمندر بن گیا۔ سسرال جانے کے بجائے اب میں اس جلوس کے ساتھ اس میدان میں پہنچ گیا۔ جہاں جلوس یکایک جلسہ بن گیا۔ اللہ اکبر۔ پاکستان زندہ باد۔ آزادی یا موت وغیرہ کے نعرے بلند ہوئے اور پھر جو تقریریں شروع ہوئی ہیں تو رات کے گیارہ بجے میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا یہ غور کر رہا تھا کہ آزادی کے ملنے کے بعد بیوی کو سہاگن بنانا مناسب رہے گا۔ یا آزادی ملنے سے پہلے ہی بیوی کو بیوہ بنانا ٹھیک رہے گا۔ اس قسم کی باتیں تو فوراً طے ہوا نہیں کرتیں۔ بڑی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے انسان کو مگر اس گورے والے واقعہ نے وہ کاری ضرب لگائی تھی۔ کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ چکا تھا۔ اور مجھ

www.taemeernews.com

اور مجھ ایسے مرد نادان پر بھی اس کا خرام نرم و نازک اثر کر چکا تھا۔ نتیجہ یہ کہ صبح میں مسلم لیگ کے دفتر میں تھا۔ اور کوشش یہی تھی کہ اول تو یہ لوگ مجھ کو ابھی اپنے کندھوں پر اٹھا کر میرا جلوس نکالیں۔ ورنہ کم سے کم محلہ کمیٹی ہی کا صدر بنا دیں مگر جگہ فی الحال رضاکاروں میں نہ بھی اس شرط پر کہ اپنی وردی میں خود بنواؤں۔ چنانچہ منظور کر لی یہ شرط بھی اور آزادی کی جدوجہد میں ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔ اس لئے کہ مقصد دراصل کوئی عہدہ یا مرتبہ نہ تھا بلکہ آزادی تھی۔ لیجئے صاحب اب ہو گئیں شروع قومی سرگرمیاں، آج اس جلوس میں شرکت کرنا ہے۔ کل اس جلسہ میں ڈیوٹی ہے۔ آج یہاں پہرہ دے رہے ہیں۔ کل وہاں قواعد کر رہے ہیں۔ مگر دل کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ یہ سب کچھ حصول آزادی کے لئے کر رہے ہیں۔ سب سے بڑا امتحان جو دینا پڑا وہ یہ تھا کہ ایک جلسہ میں سبز وردی پہنے ڈنڈا ہاتھ میں لئے پہرہ دے رہے تھے کہ ہونے والے خسر صاحب جو ادھر سے گزرتے ہیں۔ تو اپنی بیٹی کے مجازی خدا کو رضاکار دیکھ کر سکتے کے عالم میں آ گئے۔ پہلے تو کچھ دیر تک بول ہی نہ سکے۔ اس کے بعد بمشکل تمام یہ فرمایا۔

"میاں یہ تم ——"

عرض کیا "جی ہاں ——" بات یہ ہے کہ۔ ؎

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

وہ ٹھہرے آنریری مجسٹریٹ۔ خطاب کے لئے کلکٹر نے بھیج رکھی ہے سفارش۔ وہ اس چاند ستارہ کو بھلا کیا جانیں۔ ان کے جانیں دشمن، کچھ عجب کشمکش و پیچ کے عالم میں بولے "اور اگر آپ کے والد صاحب قبلہ کو اس کی خبر ہو گئی تو ——"

یہ تو میں نے بھی نہ سوچا تھا کہ واقعی اس اطلاع کے بعد والد صاحب

www.taemeernews.com

خودکشی کرنا مناسب سمجھیں گے۔ مجھ کو ہی عاق کر دینا کافی سمجھ کر صبر کریں گے۔ البتہ اس وقت میں یہ غور کر رہا تھا کہ ملت کا رضاکار بننا زیادہ بڑا ہے یا کسی کلب میں برج کھیلتے ہوئے پایا جانا۔ مجھ کو غور کرتا ہوا چھوڑ کر خسر صاحب تو روانہ ہو گئے، مگر دوسرے ہی دن "خسر شپ" سے انکار، استعفےٰ آگیا۔ اور والد صاحب قبلہ کو انہوں نے صاف صاف لکھ بھیجا کہ جس عالم میں کل آپ کے بلند اقبال نظر آئے ہیں اس کے بعد مجھ سے آپ کو یہ اُمید نہ ہونا چاہیئے کہ میں ان کو اپنا داماد بنا سکوں گا۔ والد صاحب چیخے۔ والدہ بیچاری روئیں۔ اور آخر دونوں کی متفقہ رائے سے یہ تجویز منظور ہو گئی کہ ایسی اولاد ہوتے ہی مر جائے تو زیادہ بہتر ہے اس تجویز میں ایک خامی یہ تھی کہ یہ طے نہ ہو سکا کہ اگر یہ اولاد نہ مرے ہوتے ہی تو اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ جھگڑا یہ پڑ گیا تھا کہ والد صاحب تو ابھی گولی مار دینے کی تائید میں تھے۔ خواہ اس کارِ خیر کے لئے کسی کی بندوق ہی کیوں نہ چرانا پڑے۔ مگر والدہ صاحبہ کا نعرہ یہ تھا کہ کھوٹا پیسہ اور نالائق اولاد وقت پر کام آ ہی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی میں اپنا کام بن گیا۔ ورنہ آج شہیدانِ ملت میں اپنا شمار بھی ہوتا۔

نسبت کے چھوٹنے اور والد صاحب کو ناراض کرنے کے بعد اب تو اور بھی آزاد تھے۔ دوسرے یہ بات ذہن نشین ہو چکی تھی کہ منزلِ لیلیٰ کے لئے شرطِ اوّل مجنوں بننا ہے۔ ایسے ایسے خدا جانے کتنے امتحان دینا پڑیں گے۔ چنانچہ اب ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر، میں تھا اور قومی خدمت، آج یہاں لاٹھی کھا رہے ہیں۔ کل وہاں ڈنڈوں کی دعوت ہے۔ آج اس جلسے میں پولیس نے مار مار کے ابتر کر دیا۔ کل اس جلسہ سے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ اور شہر کے باہر لے جا کر چھوڑ آئی۔ قصہ مختصر یوں ہوتا ہے کہ پٹے اکثر بچے بہت کم۔ اور دو دن کے لئے جیل بھی

www.taemeernews.com

ہو آئے۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں چودہ اگست ۱۹۴۷ء آگئی۔ اور ہمارا نعرہ یکایک واقعہ بن گیا۔ دل نے کہا۔

مورے سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا

مگر ابھی خوش بھی نہ ہونے پائے تھے۔ کہ ایک تبسم نے لاکھوں آنسو نچوڑ لئے یہ ایک مسرت سیکڑوں غموں کے معاوضہ میں ملی۔ معلوم ہوا کہ قومی رضاکار اب بننا ہے کہ جو لوٹے جا رہے ہیں ان کو بچائیں۔ جہاں آگ لگی ہے وہاں سرفروشانہ اپنے کو جھونکنا ہے۔ اپنے کو نہیں دوسروں کو بچانا ہے منزل سامنے ہے مگر عبور کرنے میں خون کے سمندر، آگ کے جہنم، بلکتے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ ماؤں کی چیخوں کو ان سنی نہیں کر سکتے، زخمیوں کی کراہوں کو روند کر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سب کو لئے ہوئے بڑھے جو پاس تھا۔ وہ زخم دینے والوں کو دیا۔ پاکستان پر سب کچھ نچھاور کرتے ہوئے۔ دونوں ہاتھوں سے اپنے کو لٹاتے ہوئے زخموں سے چور مگر مسرت اللہ اکبر کی گونج اور خود نگری کے نشے میں جھومتے ہوئے والہانہ اپنی منزل کی طرف بڑھے غلامی نے سرحد تک تعاقب کیا کہ اور بے وفا صدیوں کی رسم توڑ کر کہاں جاتا ہے۔ مگر آخر اپنی آزاد ملکیت میں پہنچ گئے۔ جو کھویا تھا یکلخت بھول گئے۔ معلوم ہوا سب کچھ پا گئے، زخموں سے چور تھے۔ ہاتھوں سے نڈھال تھے۔ خون رلانے والے مناظر، دل پاش پاش کئے دیتے تھے۔ مگر اب دل کو اطمینان تھا۔ کہ سب کچھ مل گیا۔ نقصان کا دور گذر گیا۔ تلافی کا وقت آ پہنچا۔ چقندر نما باہوں پر نیلے نیلے اژدھوں اور سانپوں کے نقوش لئے ہوئے گورے سیٹیاں بجا بجا کر کوچ مارچ کر رہے تھے۔ اور اب ہم ان پر فاتحانہ نظر ڈال رہے تھے۔

رفتہ رفتہ ایک سال گزرا۔ دوسرا گزرا اور تیسرا بھی گزر گیا۔ حالات

www.taemeernews.com

پہلے معمول پر آئے۔ پھر تعمیری سرگرمیوں نے غیر معمولی صورت اختیار کرلی، زخم بھی مندمل ہو گئے۔ اور بچھڑے ہوئے بھی مل گئے۔ تو اب پھر اپنا کنوارا پن یاد آیا۔ ارادہ ہوا کہ اب شادی کرلیں۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ مگر نظر سے کام نہ بنا۔ آخر ایک دوست ہی کام آئے۔ اور ایک جگہ سلسلہ جنبانی کردی۔ یہ بڑا شریف گھرانہ ہے۔ بڑے دردمند مسلمان ہیں یہ لوگ۔ اور سنا ہے کہ صاحبزادی کو خدا نے گریجویٹ ہونے سے بال بال بچایا ہے۔ صرف چند نمبروں سے فیل ہوئی ہیں۔ صورت مشکل سنا ہے بہت اچھی ہے۔ فرشتہ خصلت، مجسمہ صنعت و حرفت اور خدا جانے کیا کیا ہیں۔ مجھ کو آج ہی ان کے یہاں دیکھنے کو بلایا گیا تھا۔ چنانچہ جب میں وہاں پہنچا ہوں تو وہ بزرگ جن کا تقدس ایک فرلانگ سے نظر آرہا تھا بڑی گرمجوشی سے بڑھے۔ وظیفہ ملتوی فرمایا۔ اور نہایت شفقت سے اپنے ساتھ جنت نظیر ڈرائنگ روم میں لے گئے۔ اور اِدھر اُدھر کی رسمی باتیں کرکے فرمایا:۔

"صاحبزادے اور تو سب کچھ ٹھیک ہے مگر آپ کے بیان سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ گویا مہاجر ہیں؟"

عرض کیا۔" میں تو اپنے آپ کو مہاجر نہیں کہتا۔ میں تو سچ پوچھئے تو دشتِ غربت سے وطن آیا ہوں۔ یہ میرا گھر ہے۔ میں نے سپاہیانہ عزم اور ہمت کے ساتھ اس کو فتح کیا ہے، میں اس کا فاتح ہوں۔"

بڑی متانت سے بولے۔" یہ درست ہے مگر مہاجر ہی ہوئے نا آپ، اور میرے واسطے مصیبت یہ ہے کہ دنیا یہی کہے گی۔ کہ میں نے اپنی لڑکی ایک مہاجر کو دے دی۔"

حیرت سے پوچھا۔

www.taemeernews.com

"تو گویا یہ بڑی بات ہے۔
بڑے اللہ والے بن کر بولے
"یہ تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جب کہ مہاجر نوازی ہمارا مذہب
ہم کو سکھاتا ہے ——۔
بات کاٹ کر عرض کیا "بلکہ مہاجر اور انصار کو ایک رشتہ میں ——۔
وہ بھلا بات کیوں نہ کاٹتے۔ "جی جی رہ میں سمجھ گیا مگر یہ خوردار یہ برادری
والے نہایت نامعقول ہوتے ہیں۔ کس کس کی زبان بند کروں گا میں ——"
اور جب مجھ کو بہت مایوس دیکھا تو جھوٹے ہی بول دیئے "بہر حال میں
غور کروں گا مگر یہ واقعہ ہے کہ آپ سے مل کر بیحد مسرت ہوئی ہے۔"
کاش ان کو معلوم ہوتا کہ مجھ کو ان سے مل کر کس قدر "مسرت" ہوئی مگر
میرے دوست نے بڑے مزے کی بات کہی ہے کہ بھائی تم کو آزادی کا شوق
تھا وہ پورا ہوا۔ پھر کیوں اپنی اس آزادی کو دائمی غلامی سے بدل رہے ہو۔
گورے کی غلامی سے بیزار اور گوری کی غلامی کے لئے بیقرار۔ سمجھ میں نہیں
آئی یہ بات؟

www.taemeernews.com

لیاقت نہرو معاہدہ

اب تک صرف ایک مطلع ہوا تھا اور عالم یہ تھا کہ 'طرح' سے عجیب متلی سی آرہی تھی۔ غالباً اسی لئے غیر طرحی مشاعرے رواج پاتے چلے جارہے ہیں۔ بلکہ میں تو نظم معریٰ کے وجود میں آنے کا باعث بھی اسی کو سمجھتا ہوں کہ ہمارے بانیان مشاعرہ طرح تجویز کرنے میں کبھی خوش مذاقی سے کام نہیں لیتے ایسی بیہودہ طرح بعض اوقات دے دیتے ہیں کہ شعر کہنے کے بجائے شعر کاشت کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اب کوئی پوچھے کہ یہ بھی کوئی شریفانہ مصرع ہے کہ۔ ؎

چراغ گور غریباں جلے جلے نہ جلے

قافیہ ہے آخری جلے گویا طرح ہے غیر مردف۔ نتیجہ یہ کہ گھوم پھر کر یہی مصرعہ ذہن میں آتا ہے کہ۔ ؎

رقیب ڈال یہ تیری گلے گلے نہ گلے

یہی ہوتی ہیں وہ طرحیں کہ شاعر کو دانتوں پسینہ آجائے اور وہ توبہ کرے ہمیشہ کے لئے شعر کہنے سے۔ رات کو ہے مشاعرہ اور اب تک صرف ایک مطلع ہوا ہے باقی کے لئے اپنے آپ کو ٹہلا رہے ہیں برآمدے میں ادھر سے ادھر پریشان چہار رہے ہیں سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے ہیں مگر توبہ کیجئے آمد تو آمد یہاں آورد تک کا پتہ نہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اپنی اور

www.taemeernews.com

بانیٔ مشاعرہ کی جان ایک کر دیں۔ پھر ان حضرت کے اس چیلنج کا خیال آیا کہ آج مجھے دیکھنا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ گویا براہِ راست معاملہ ٹھہرا عزت و آبرو کا کہ یا تو غزل کہو ورنہ خود کشی کر لو۔ حالانکہ ایسی طرحوں میں غزل کہنا بھی خود کشی ہی کی ایک قسم ہے۔

ایسا شدید معرکہ در پیش ہے اور دیکھتے کیا ہیں کہ بندو خان ایک ہاتھ میں اخبار لئے تشریف لا رہے ہیں۔ ارادہ ہی کیا تھا کہ کسی درخت کی آڑ میں چھپ جائیں کہ ان حضرت نے گولی مار دی "السلام علیکم مولانا۔"

عرض کیا " انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

کہنے لگے " مولانا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سارا قصہ ہی ختم۔ آج کی خبروں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑک رہے ہیں اب تو میرے خیال میں تمام قضیے طے ہو جائیں گے۔"

عرض کیا " بھئی خانصاحب بات اصل میں یہ ہے کہ رات کو ہے مشاعرہ اور آپ کے سر عزیز کی قسم سوائے ایک مصرعے مطلع کے کچھ بھی نہیں کہا ہے طرح بھی عجیب کڈھب ہے۔"

خانصاحب نے گویا اس کو غیر ضروری بات سمجھ کر فرمایا " ابھی جہنم میں گیا آپ کا مشاعرہ یہاں جان نکلی جا رہی ہے کہ اگر خدا نخواستہ یہ محبت بڑھتے بڑھتے واقعی مصالحت بن گئی تو کیا ہوگا ؟"

اب ہم نے بھی واقعی مشاعرے کو جہنم میں ڈال کر اس لفظ خدا نخواستہ پر غور کیا اور حیرت سے پوچھا " آپ فرما رہے ہیں خدا نخواستہ یعنی آپ کے خیال میں مصالحت اور دوستی وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔"

خانصاحب نے بڑی تشویش سے فرمایا " صاحب بڑی گڑبڑ پڑے گی

www.taemeernews.com

اس میں اور اگر حالات نصیب دشمناں بے حد خوشگوار ہو گئے تو قیامت آجائے گی قیامت۔ آپ اس کو معمولی بات نہ سمجھیں۔"

اور واقعی ہم اس کو معمولی بات نہیں سمجھ سکتے تھے اس لئے جہاں تک خانصاحب کا تعلق ہے ان کے لئے اس سے بڑا حادثہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں ممالک میں اس حد تک مصالحت ہو جائے کہ مہاجرین ادھر سے واپس جائیں۔ شرنارتھی اُدھر سے واپس آئیں اور جائیدادوں کے تبادلے وغیرہ ہونے لگیں۔ بات یہ ہے کہ جہاں تک خانصاحب کی جائیداد کا ہم کو علم ہے آپ جو کچھ چھوڑ کر آئے ہیں اس میں سب سے زیادہ قیمتی چیز وہ بیلوں کی جوڑی تھی جس کا دُور دُور جواب نہ تھا۔ ان میں سے ایک بیل تو وہ تھا جس کی سلور جوبلی تک ہو چکی تھی اور باقی تمام بیل اس بزرگ بیل کا بیحد احترام کرتے تھے اور زبان نوخیز ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی مگر نگاہوں سے پتہ چلتا تھا کہ اس محترم بیل کو سب چچا چچا کہہ رہے ہیں۔ دوسرا بیل اگر لنگڑا نہ ہوتا تو خانصاحب کا بیان یہ ہے کہ لارڈ لنلتھ گو اُس کو اپنے ساتھ ولایت لے جاتے۔ اس بیلوں کی جوڑی کے علاوہ ایک تاریخی حقہ۔ دو چارپائیاں۔ چار پانچ گھڑے مختصر یہ کہ نہ جانے کیا کیا چیزیں اُسی طرف رہ گئیں۔ پھر اپنا ذاتی مکان۔ ہر چند کہ مکان کی زمین سرکاری تھی مگر اُس پر چھپّر تو اپنا ہی تھا۔ اور لیجئے سب سے اہم چیز تو ہم بھولے ہی جاتے تھے اس چھپّر کے سامنے ہی ایک کنواں تھا جس کا میٹھا اور ٹھنڈا پانی خدا جانے اب کون کون مالِ مفت سمجھ کر لنڈھا رہا ہوگا۔ مگر خانصاحب کو ایمان کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی چیز کے چھوٹنے کا اب خیال بھی نہیں ہے اور وہ صبر و قناعت کے ساتھ ایک ایسے مکان پر قابض ہیں جس میں کنواں نہ سہی کمیٹی کا نل موجود ہے۔ چھپّر نہ سہی رنگین نقش و نگار

www.taemeernews.com

کی چھتیں ہیں ہر کمرے میں بجلی کی روشنی ہے۔ دو کمروں میں پنکھے بھی لگے ہوئے ہیں۔ دہ بانس کی ہلکی پھلکی چارپائیاں جن کو پھول کی طرح جب چاہے اٹھا کر باہر لے جاؤ اور جب چاہو اندر لے آؤ وہ تو خیر میسر نہ آسکیں مگر چار لواری پلنگ اور دو مسہریاں مل گئی ہیں اور خانصاحب ان کو غنیمت سمجھتے ہیں رہ گئیں میزیں اور کرسیاں وہ ہیں تو کسی کام کی اور نہ ہوتیں تو کیا کمی رہ جاتی۔ بہرحال اب خانصاحب یہ ہرگز نہیں چاہتے کہ اس گھر سے بھی نکلنا پڑے۔ جس حال میں بھی ہیں خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اپنے کو بچارے کا شتکار کے دوکاندار ثابت کر کے ایک چھوٹی سی دکان اپنے نام الاٹ کرالی ہے۔ مکان مل گیا ہے۔ گھر کے علاوہ گرہستی بھی اس مسبب الاسباب نے عطا کردی ہے۔ مختصر یہ کہ جو کچھ اس طرف رہ گیا وہ تو رہ گیا اس کو بھلا کر جو کچھ اب حاصل ہے اُسی پر قانع تھے کہ اخباروں میں لیاقت نہرو معاہدۂ اقلیت کی تفصیلات پڑھ کر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ یہ معاہدہ اگر واقعی کامیاب ہو گیا اور صلح صفائی کے بعد حالات ایسے خوشگوار ہو گئے کہ ادھر کے اُدھر اور اُدھر کے ادھر ہونا شروع ہو گئے تو ان حضرت کا کیا بنے گا۔ ظاہر ہے کہ وہاں بیل وفات پا چکے ہوں گے چھپر اُڑ چکا ہو گا۔ سرکاری زمین پر سرکار کا قبضہ ہو گا۔ گھوڑے لوٹ گئے ہوں گے۔ حقہ تعصب کا شکار ہو چکا ہو گا۔ مختصر یہ کہ بیچارے نہ تو ادھر کے رہیں گے اور نہ اُدھر کے۔ اُن کی اس تشویش کا پورا احترام کرتے ہوئے عرض کیا: "خان صاحب یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ کو یہاں بعض ادنیٰ آسائشیں حاصل ہو چکی ہیں اور آپ نہیں چاہتے کہ اُن سے آپ کو محروم ہونا پڑے مگر آپ کی ان آسائشوں پر دو ممالک کے امن و سکون کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔"

خانصاحب نے مونچھوں کے چھپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ عجیب بات فرما

www.taemeernews.com

رہے ہیں آپ۔ یعنی مجھ کو کیا آسائشیں حاصل ہو گئی ہیں۔ آپ کو معلوم بھی ہے جناب کہ میں نے کیسی کیسی قربانیاں دی ہیں۔ بھرا ہوا گھر چھوڑا ہے۔

عرض کیا "دہی گھر نا جس میں پانچ گھڑے اور دو چار پائیاں ہے۔"

بات کاٹ کر بولے "اب آپ کیوں کہلوائیے گا مجھ سے۔ آپ نے کبھی میری زبان سے نہ سنا ہوگا کہ میں نے یہ چھوڑا اور وہ چھوڑا حقیقت میں تو اس کا قائل ہوں کہ جو قسمت میں نہیں تھا وہ چھن گیا۔ اور جو قسمت میں تھا وہ مل گیا۔ زندگی بھر کی کمائی وہ گھر تھا جو ادھر رہ گیا۔ اب یہاں اس اجڑے ہوئے گھر کو بسایا ہے تو آپ خود دیکھنے والے ہیں کہ کیا حالت تھی اس گھر کی اور کیا بنا دیا ہے میں نے اس کو حضور والا بجلی کی فٹنگ یہ سمجھ لیجئے کہ پھر سے کرائی ہے۔"

عرض کیا "یہ تو خیر میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ایک سوئچ آپ نے بالکل نیا منگوا کر لگایا تھا۔"

سہارا مل گیا تو زور دے کر بولے "اب آپ ہی دیکھ لیجئے۔ اس کے علاوہ پلاسٹر ٹھیک کرانے کے لئے آپ کو یاد ہوگا کہ میں خود سمنٹ لا رہا تھا۔ ارے بھئی اسی روز کا ذکر ہے جب آپ کے یہاں سے کسی بچہ کی سالگرہ کی مٹھائی آئی تھی میرے یہاں۔"

ہم کو یاد آگیا کہ واقعی خانصاحب ایک دن اپنے کرتہ کا دامن پھیلائے اور اس میں سیمنٹ لئے اس طرح چلے آرہے تھے جیسے کوئی نئی نویلی دلہن کی اللہ رکھے گود بھری گئی ہو۔ اور اس روز وجہ یہ بتائی تھی کہ بارش کی وجہ سے چھتیں ٹپکنے لگی ہیں تو میں نے سوچا کہ لاؤ ان کو میں خود ٹھیک کر دوں۔ زیادہ سے زیادہ چار آنے کا سیمنٹ ہوگا۔ مگر اب اسی واقعہ کو اس اہمیت کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں اور اضافہ یہ فرمایا کہ "حضور والا میں نے کاریگر لگوائے۔ مزدوروں کو ڈھونڈھنا پڑا مہینوں بیٹھ کر مرمت کرائی روپیہ ٹھیکری کی طرح لٹایا پانی کی طرح بہایا تب کہیں جا کر گھر رہنے کے قابل بن سکا ہے اور آپ

www.taemeernews.com

فرماتے ہیں ادنیٰ آسائشیں ۔۔"

رفع شر کے لیے عرض کیا "میرا مطلب یہ تھا خانصاحب کہ آپ نے جو لفظ خدانخواستہ استعمال کیا ہے مصالحت اور صلح صفائی کے امکانات کا اندازہ کر کے وہ بڑا خود غرضی کا لفظ ہے ۔۔"

خانصاحب نے ایک ماہر سیاست بن کر کہا " حضورِ والا یہ خود غرضی کی بات نہیں ہے بلکہ میں خلق اللہ کے فائدہ کے لئے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ مجھ کو تو ڈالئے جہنم میں مگر ذرا غور تو کیجئے کہ اس مصالحت سے کتنے بسے گھر پھر سے اجڑ جائیں گے۔ کتنے آدمی از سرِ نو خانہ بدوش ہو جائیں گے۔ اور نئے سرے ایک آفت مچ جائے گی ۔۔"

عرض کیا "خانصاحب اوّل تو آپ نے اس معاہدے سے ایک ایسا مفہوم خود بخود اخذ کر لیا ہے جو خود آپ کے لئے تکلیف دہ بنا ہوا ہے ۔ دوسرے فرض کر لیجئے کہ معاہدہ واقعی اس حد تک کامیاب ہو جائے کہ اس کے یہ نتائج بھی پیدا ہو سکیں جو آپ کے ذہن میں ہیں تو نہایت مبارک بات ہوگی ۔"

خانصاحب پہلے تو حیرت سے منہ کھولے کے کھولے رہ گئے پھر بمشکل تمام بولے۔ "نتھنوں میں چنے چبانے پڑیں گے جناب والا۔ مذاق نہ باشد۔ آپ کا کیا ہے۔ ملازم آدمی ٹھہرے ملازمت کہاں جا سکتی ہے۔ یہ ہمارے دل سے پوچھئے کہ کاروبار کا کیا حشر ہوگا۔"

عرض کیا "خصوصاً وہ کاروبار جو حلوائی کی دکان دادا جی کا فاتحہ کے مصداق الاٹ کرایا گیا ہو۔"

خانصاحب جب لاجواب ہوتے ہیں تو عجیب لاجواب فقرہ استعمال کرتے ہیں کہ "اجی مجھ کو ڈالئے جہنم میں" چنانچہ اس وقت بھی ہکلا کر یہی جملہ

www.taemeernews.com

استعمال فرمایا" اجی مجھ کو ڈالئے جہنم میں۔ میرا مطلب تو یہ ہے کہ سب کیا دھرا ملیا میٹ ہو کر رہ جائے گا۔ اور ہم سب تتر بتر ہو کر رہ جائیں گے۔"

اب ہم نے خانصاحب کو سمجھانے کی کوشش کی حالانکہ غصہ اتنا آ رہا تھا کہ کاش کوئی خود ہم کو سمجھاتا مگر جب مقابلہ ہو کسی اپنے سے زیادہ جاہل سے تو خود ہی صبر کرنا پڑتا ہے عرض کیا "خانصاحب جس قسم کے بزرگ آپ ہیں اس قسم کے لوگ تو ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ اس مصالحت۔ دوستی اور صلح صفائی کا یہ خطرناک پہلو اس وقت ادھر بھی اکثر لوگوں کے ذہن میں ہوگا۔ بات یہ ہے کہ آپ پاکستان اسی کو سمجھتے ہیں کہ آپ کو ایک معقول گھر اور ایک چلتی ہوئی دکان مل گئی ہے کسی ہندو کو اور وہ سوراج اسی کو سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کو کسی مسلمان کا گھر اور کسی مسلمان کا کوئی کاروبار ہتھیانے کا موقعہ مل گیا ہوگا مگر آزادی ان خود غرضیوں سے بلند و بالا ایک علیحدہ چیز ہے اور دو ممالک کی عافیت اور امن کو سستے داموں بیچا نہیں جا سکتا۔ میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ ان حالات پر ذرا بلند نظری اور فراخدلی سے غور کیا جائے۔

خانصاحب نے غالباً بلند نظری سے غور کیا یعنی بڑی قہر آلود نظروں سے ہم کو گھورا اور غالباً فراخدلی سے اس مسئلہ پر کچھ سوچا یعنی بغیر کچھ کہے سنے پیر پٹختے ہوئے تشریف لے گئے۔ البتہ ہم کو یہ روگ دے گئے کہ ہم ان کے متعلق مسلسل یہ سوچتے رہیں کہ یا اللہ کیا ان ہی سب کے لئے یہ بیچارے لیاقت اور نہرو یوں سر کھپاتے پھرتے ہیں۔ مگر چونکہ رات کو مشاعرہ تھا لہذا ہم نے کہا اس قسم کے لوگ ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتے ہیں مگر اب سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ غصہ کس پر کریں ایسا کڈھب مصرعہ طرح دینے والے پر یا ایسے کڈھب خود غرضوں پر۔ سب سے زیادہ آسان یہ نظر آیا کہ خود اپنے اوپر غصہ کرنا چاہئیے۔ لہذا دانت پیس پیس کر فکر سخن شروع کر دی۔

www.taemeernews.com

مُشاعرہ

شاعر سُنا تھا
متشاعر بھی سُنا تھا۔
ایک سرکاری قسم کے مشاعرے میں "مشاعرہ" بھی سُن لیا۔
بانیٔ مشاعرہ شعرائے کرام کا شکریہ ادا فرما رہے تھے: میں مشاعر
صاحبان کا بیحد شکر گزار ہوں مشاعر حضرات نے بڑی تکلیف فرمائی ہے اس
مشاعرے میں چوٹی کے مشاعر جمع ہیں۔ وغیرہ، وغیرہ۔
پہلے تو کان کھڑے ہوئے کہ اور تو اور یہ مشاعر کیا بلا ہے مگر پھر فوراً
سمجھ میں آگیا کہ مشاعر دراصل اُس شاعر کو کہتے ہیں جس کا شاعر ہونا بھی مشکوک
ہو سکتا ہے اور متشاعر ہونا بھی یقینی نہیں ہوتا مگر چونکہ مشاعروں میں شرکت
کرتا ہے لہٰذا شاعر یا متشاعر ہو یا نہ ہو مگر وہ "مشاعر" ضرور ہوتا ہے گویا یہ شاعروں
کی وہ قسم ہے جو صرف مشاعروں میں پڑھنے کے لئے شعر کہتے ہیں جن کا میدان عمل
اور میدانِ بے عملی جو کچھ بھی ہے مشاعرہ ہے اور جن کا مقصدِ زندگی سوائے اس
کے اور کچھ نہیں کہ مشاعر خواہ وہ کسی قسم کا ہو، کہیں بھی ہو۔ کسی نے بھی کیا ہو اُس میں
شرکت کرنا ضروری ہے۔ شاعروں کی یہ قسم مشاعروں کے لئے پیدل قافلوں
میں۔ بیل گاڑیوں اور تانگوں میں۔ لاریوں اور موٹروں میں۔ ریل اور ہوائی جہاز

www.taemeernews.com

تک میں مشاعروں کی شرکت کے لئے رواں دواں نظر آتی ہے۔ موسم کی کوئی قید نہیں، گرمی ہو تو کرتے اور لنگر کھلے میں جائیں گے۔ جاڑا ہو تو جسٹر اور کمبل میں جائیں گے۔ برسات ہو تو چھتری اور برساتی میں جائیں گے مگر جائیں گے اور ضرور جائیں گے سو کام چھوڑ کر جائیں گے۔ دفتروں سے رخصت علالت لے کر جائیں گے۔ شادیوں کی تاریخیں بڑھوا کر جائیں گے کوئی مر جائے تو قبرستان پر مشاعرے کو ترجیح دیں گے اور جائیں گے۔ بیمار ہیں تو دوا کی شیشیاں لے کر جائیں گے۔ مختصر یہ کہ مشاعرہ ان سے نہیں چھوٹ سکتا یوں چاہے زمانہ کا زمانہ ان کو چھوڑ دے۔ یقین نہ آتا ہو تو مئی اور جون کی گرمی میں ملتان میں مشاعرہ کر دیکھئے۔ دسمبر اور جنوری کی سردی میں کوہ مری پر کوئی بزم سخن منعقد کر کے امتحان کر لیجئے۔ یا شدید بارش میں موچی دروازے کی کسی تنگ گلی میں ایک مصرع طرح ڈال دیجئے پھر دیکھئے کہ کہاں کہاں کا شاعر پہنچتا ہے اور کس کس حال میں پہنچتا ہے۔ حال خواہ کچھ ہو پہنچے گا ضرور یہ نہیں ہو سکتا کہ مشاعرہ شعراء کے نہ آنے کی وجہ سے ٹل جائے۔

یہ شاعر واقعی مشاعروں کے لئے جیتے اور مشاعروں پر ہی مرتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ان کے سر میں مشاعروں کا سودا اور سر دوں میں مشاعروں کا سنیپر دیکھ لیجئے کوئی بات کسی سے کریں تان ٹوٹے گی آ کر اسی مشاعرے پر کسی بحث پر گفتگو کیجئے گھوم پھر کر آئیں گے مشاعروں کے ذکر پر۔ دور نہ جائیے غریب خانہ تک زحمت فرمائیے قریب ہی برقی صاحب رہتے ہیں ماشاءاللہ بڑے پرانے شاعر ہیں اور آپ کا دولت کدہ سینکڑوں شاعر حضرات کا اڈا ہے۔ جہاں مشاعروں کے منتظمین آئے دن آتے رہتے ہیں معاوضے طے ہوتے ہیں۔ سفر خرچ طے ہوتے ہیں۔ مشاعروں میں شرکت کے پروگرام بنتے

www.taemeernews.com

ہیں کہ ایک ہی تاریخ میں اتنے مشاعرے ہیں کون سی ٹولی کس مشاعرے میں جائے کون سی کس مشاعرے پر دھاوا بولے۔ مختصر یہ کہ عجیب چہل پہل رہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ برقؔ صاحب کا مکان کیا ہے بھرتی کا دفتر ہے۔ اسی دروازے پر مشاعروں کی للریاں آکر ٹھہرتی ہیں۔ یہیں سے مشاعر حضرات دساور کئے جاتے ہیں اور اسی جگہ مشاعروں سے متعلق تمام جھگڑے طے پاتے ہیں۔ اور اگر بدقسمتی سے کبھی کوئی چہل پہل نہ ہو تو برقؔ صاحب از روئے ہمسایہ نوازی غریب خانے پر تشریف لے آتے ہیں اور ان کا خیر مقدم کرنا پڑتا ہے۔

• آخاہ قبلہ برقؔ صاحب ہیں تشریف لائیں حضور۔ معلوم ہوتا ہے آج کہیں مشاعرہ وغیرہ نہیں ہے۔

برقؔ صاحب نے بڑے استغنا سے فرمایا "حضت مشاعرہ کیوں نہ ہوتا۔ قصور میں ایک، شیخوپور میں دو۔ شاہ پور میں تین۔ گویا تین مشاعرے تو آج ہی ہیں۔ مگر اب کوئی کہاں تک شرکت کرے میں نے تو اب طے کر لیا ہے کہ ان مشاعروں میں شرکت ہی نہ کروں گا۔ لینا ایک نہ دینا دو سفر میں تکلیف الگ اٹھاؤ۔ رات رات بھر مشاعروں میں جاگو صحت کا ناس ہو کر رہ گیا ہے۔"

عرض کیا "واقعی آپ کی عمر بھی اب اس قابل نہیں ہے کہ آپ یہ صعوبتیں برداشت کریں۔"

کہنے لگے "اجی توبہ کیجئے میں نے تو اب کان پکڑے ہے کہ ہرگز کسی مشاعرہ میں نہ جاؤں گا۔ جتنا سفر خرچ ملتا ہے اس سے زیادہ صرف ہو جاتا ہے۔ لاکھ سیکنڈ کلاس کا کرایہ لو اور انٹر میں سفر کرو مگر حضت پردیس پھر پردیس ہے طرح طرح کے خرچ نکل ہی آتے ہیں اور اب کی تو آپ کے سر عزیز کی قسم

www.taemeernews.com

کمال ہی ہو گیا کچھ اس ترتیب سے مشاعرے تھے کہ اب جو گھر سے نکلا ہوں تو پندرہ دن کے بعد گھر لوٹنا نصیب ہوا۔"

حیرت سے عرض کیا "پندرہ دن کے بعد یعنی مسلسل مشاعرے"

کہنے لگے "جی اور کیا دم اُلٹ کر رہ گیا ان مشاعروں سے۔ کہیں ریل سے سفر کیا کہیں لاری سے پہنچے اور ایک جگہ تو اونٹ تک پر سفر کرنا پڑا۔"

ایک نجی بات دریافت کی "اچھا تو یہ بتائیے کہ کچھ بچ بھی گیا۔"

کہنے لگے "اجی توبہ کیجئے دھیلا بھی نہیں بچا۔ البتہ اب اس کو چاہے بچنا کہئے یا مالِ غنیمت سمجھئے کہ سرگودھا کے مشاعرے میں سے ایک ٹین گھی کا مل گیا تھا۔ کیا کہنا ہے وہاں کے گھی کا۔ عام طور پر خالص مکھن سے بنایا جاتا ہے مگر اس گھی سے آپ مکھن بنا لیجئے اعلیٰ درجہ کا دانہ دار گھی۔ سیالکوٹ سے ایک ہاکی اسٹک نذر قسم کی مل گئی تھی۔"

تعجب سے پوچھا "ہاکی اسٹک؟ برقؔ صاحب ہاکی اسٹک بھلا آپ کے کس کام کی۔"

برقؔ صاحب نے ہم کو آنکھوں ہی آنکھوں میں چند سمجھتے ہوئے فرمایا "میرے کس کام کی ہوتی مگر وہاں کی یہی چیز مشہور تھی لہٰذا منتظم مشاعرہ سے فرمائش کر دی کہ بندہ لاد سے نے اسی شرط پر آنے دیا ہے آپ کے مشاعرے میں کہ واپسی میں ایک اعلیٰ درجہ کی ہاکی اسٹک لے کر جاؤں۔ چنانچہ مل گئی ہاکی اسٹک ہو گی کوئی پندرہ سولہ روپے کی۔ اور جناب خدا آپ کا بھلا کرے گجرات سے ایک حقہ لایا ہوں۔ حضت کیا حقہ ہے معلوم ہوتا ہے کوئی تاریخی عمارت رکھی ہوئی ہے نہایت عظیم الشان حقہ۔ دکھاؤں گا آپ کو کسی وقت۔ اور ہاں گجرات ہی سے چارپائی کے پائے بھی لایا ہوں۔

www.taemeernews.com

بھئی کیا رنگ ہے اور کیا روغن اتفاق کی بات کہ وزیر آباد کے مشاعرے میں جو پہنچا تو بانیٔ مشاعرہ سے ذکر آگیا مسہری کا ان بیچارے نے نوار ایسی لاجواب منگا کر دی کہ میری تو مسہری سج گئی۔"

عرض کیا: "برق صاحب۔ اگر اس طرح آپ ہر دورے میں یوں مالِ غنیمت جمع کرتے ہوں گے تو یہ تو گویا آمدنی کی بڑی اچھی صورت ہے"

برق صاحب نے بڑی مایوسی سے کہا: "اجی کہاں ہر دورے میں بڑے بڑے منحوس ہوتے ہیں بانیانِ مشاعرہ ذرا مشکل ہی سے پھنستے ہیں، لائل پور کے مشاعرے میں بڑے ہیر پھیر سے ایک تھان لٹھے کی فرمائش کی تھی۔ میں نے کہا کیا بڑی بات تھی اگر تحفۃً دے دیا جاتا مگر ان حضرت نے نہایت بے مروتی سے کام لے کر جھٹ اُس کی قیمت بتا دی۔ اب میں کیا کروں چُپ رہ گیا۔ البتہ ایک ریشمی تہبند ضرور لایا تھا وہاں سے۔"

عرض کیا: "اس کو کہتے ہیں بھاگتے بھوت کی لنگوٹی۔"

ہنس کر بولے: "بھئی کیا بات کہی ہے۔ بالکل یہ مثل صادق آئی۔ دیکھئے شارق صاحب بزم صاحب تشریف لا رہے ہیں۔"

اور پھر بلند آواز سے پکارا: "ارے بھئی میں ادھر ہوں اسی طرف آجائیے۔"

شارق صاحب اور بزم صاحب نے نہایت بدحواسی کے ساتھ آتے ہوئے کہا: "ملتان کے لوگ تو نہیں آئے تھے آپ کے پاس؟"

برق صاحب نے سنبھلتے ہوئے کہا: "نہیں تو۔ کیوں کیا بات ہے؟"

شارق صاحب نے کہا: "چودہ تاریخ کو مشاعرہ ہے ملتان میں۔ دعوت نامے لے کر آئے ہیں احقر صاحب کے یہاں گئے تھے اُن سے وعدہ لے لیا ہے۔

www.taemeernews.com

اور سفر خرچ کے علاوہ پچیس ۲۵ روپے طے پائے ہیں۔"

برقؔ صاحب نے فرمایا: "یہاں تو اب تک پہنچے نہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کسی نے بہکایا ہو۔ بڑے بڑے کرم فرما پڑے ہوئے ہیں۔"

بزمؔ صاحب نے فرمایا: "جی نہیں وہ آئیں گے ضرور۔ مجھ سے ملے تھے۔"

برقؔ صاحب نے بدحواسی سے پوچھا: "اچھا۔ یعنی آپ سے مل چکے ہیں؟ میرا نام بھی لیا تھا۔"

بزمؔ صاحب نے کہا: "جی ہاں آپ کا نام میں نے خود ان کی فہرست میں دیکھا تھا۔ اور شارقؔ صاحب کا نام بھی بڑھوا دیا تھا مگر کہتے ہیں کہ میں جا نہیں سکتا۔"

برقؔ صاحب نے استادانہ شان سے فرمایا: "گویا یہ کہتے ہیں کہ یہ جا نہیں سکتے آخر کیوں؟ آخر کیا مجبوری ہے ایسی؟"

شارقؔ صاحب نے کہا: "سب کپڑے دھوبی کے یہاں پڑے ہیں باہر جانے کے لئے کم سے کم ایک جوڑا تو فالتو ہونا چاہیے۔"

برقؔ صاحب نے فرمایا: "میاں لاحول ولاقوۃ۔ میں سمجھا نہ جانے کیا مجبوری ہے۔ عزیز من مشاعرے میں کپڑے نہیں دیکھے جاتے کلام دیکھا جاتا ہے۔ انشاء کا واقعہ یاد کرو کہ بھرے مشاعرے میں ایک فقیر تو بڑا لئے ہوئے پہنچتا ہے لوگ اس کے بھی روادار نہیں کہ قریب بٹھائیں وہ آ کر ایک طرف بیٹھ جاتا ہے اور اب جو غزل پڑھتا ہے۔ ت

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

www.taemeernews.com

تو سناٹا چھا گیا مشاعرے میں۔ انشاء تو اسی سج دھج سے غزل پڑھ کر کاغذ پھاڑ یہ جا وہ جا مگر مشاعرے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے جو کپڑے پہنے ہوئے ہو وہ ٹھیک ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرو رقم پیشگی مانگو اور ایک جوڑا بنوالو۔"

بزمؔ صاحب نے کہا "مصیبت تو یہی ہے کہ پیشگی وہ دے ہی نہیں رہے ہیں۔"

برقؔ صاحب نے فرمایا "یہ تو غلط ہے صاحب مشاعرے کے بعد شاعر اور الیکشن کے بعد ووٹر کا ایک ساحل ہوتا ہے۔ پھر کرتے پھریئے ایک ایک کی خوشامد، یاد ہے سیالکوٹ کا مشاعرہ، پچاس پچاس کہہ کر لے گئے اور پندرہ پندرہ ٹکائے۔ تو جناب یہ غلط ہے جو کچھ طے کریں وہ گن دیں سیدھے ہاتھ سے بزمؔ صاحب نے چونکتے ہوئے کہا "لیجئے وہ آکر رکا تانگہ ذہبی لوگ ہیں۔"

برقؔ صاحب نے گھبرا کر کہا "شارقؔ میاں دوڑنا ذرا اسی طرف لے آؤ اور بزمؔ بھائی ذرا چار پان اور آدھی ڈبیہ سگریٹ کی لے لینا تنبولی سے میرا نام لے کر۔"

شارقؔ صاحب منتظمین مشاعرہ کو لے کر اسی طرف آگئے۔ برقؔ صاحب نے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی، آدھی ڈبیہ سگریٹ کھول کر ان کے سامنے رکھ دی پاس ہی پانوں کی پڑیا بھی رکھی رہی۔ مزاج پرسی ہوئی تشریف آوری اور پھر یاد آوری کے شکریئے ادا کئے گئے اور آخر معاملہ کی گفتگو شروع ہو گئی۔ منتظمین مشاعرہ میں سے ایک صاحب نے فرمایا۔

"قبلہ بات یہ ہے کہ قائداعظم میموریل فنڈ کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ کیا ہے۔"

www.taemeernews.com

مقصد یہ ہے کہ اُس کی کلی آمدنی جمع کر کے قاعد اعظم میموریل فنڈ میں بھیجدی جائے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اخراجات کم سے کم ہوں۔ اب یہ فرمائیے کہ آپ لوگ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ کیا ایثار فرما سکتے ہیں۔"

برقی صاحب نے کھیسیں نکال کر فرمایا "آپ نے کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے قاعد اعظم میموریل فنڈ کا مشاعرہ ہے تو اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں ورنہ لاہور سے باہر جانے میں پچاس سے کم تو میں لیتا ہی نہیں اور یہی مطالبہ شارقی صاحب اور نرم صاحب، کا ہوتا ہے۔ بہر حال سفر خرچ کے علاوہ آپ چالیس چالیس کر دیجئے۔"

منتظم مشاعرہ نے کہا "چالیس تو بہت ہیں برقی صاحب اس طرح تو ہم کچھ بھی نہ بچا سکیں گے۔ ہم نے آپ تینوں کے لئے بیس بیس روپے طے کئے تھے یہ رقم حقیر ضرور ہے مگر مقصد دیکھئے کس قدر عظیم ہے۔"

برقی صاحب نے فرمایا "حضور والا یہ تو زیادتی ہے، مگر آپ نے بیس سے زیادہ بھی لوگوں کو دیئے ہیں۔"

منتظم صاحب نے فرمایا۔ "صرف اختر صاحب کو، اور وہ بھی اس لئے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں مشاعرہ کمیٹی کا کھانا نہیں کھاؤں گا بلکہ چونکہ پرہیزی کھاتا ہوں لہٰذا اپنا انتظام خود کروں گا۔"

برقی صاحب نے فرمایا۔ "اور سفر خرچ۔"

منتظم صاحب نے فرمایا۔ "تیرہ کی رات کو لاری یہاں پہنچ جائے گی اور آپ لوگ چودہ کی صبح کو تڑکے تڑکے یہاں سے روانہ ہو جائیے تاکہ آسانی سے پہنچ جائیں"

برقی صاحب نے فرمایا "یہ تو منظور ہے مگر اب ایک شرط ہے کہ جو کچھ طے ہوا ہے وہ یہیں عنایت کر دیجئے۔ یہ ہم لوگوں کا اصول ہے اور ہم اس پر سختی سے

www.taemeernews.com

پابند ہیں۔"

منتظم صاحب نے کہا "برق صاحب یہ تو ممکن نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ پچھلے سال ہم نے پیشگی رقمیں دے دی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ تین سو روپیہ اپنی گرہ سے بھرنا پڑا اور شعراء نے شرکت نہ کی۔ بہرحال یہ رقم آپ کو وہاں پہنچتے ہی مل جائے گی۔"

برق صاحب نے گویا آخری فیصلہ سنا دیا۔ "یہ غلط ہے جناب اگر آپ اتنا اعتماد بھی نہیں کر سکتے تو ہم تیار نہیں ہیں۔"

منتظم مشاعرہ نے لاکھ خوشامد کی لاکھ سمجھایا مگر برق صاحب کسی طرح تیار نہ ہوئے آخر بمشکل تمام سمجھوتہ یہ ہوا کہ لاری ڈرائیور کے ہاتھ یہ رقم بھیجدی جائے گی پہلے وصول کر لیجئے پھر لاری میں قدم رکھیے۔"

منتظمین مشاعرہ کے جانے کے بعد شارق صاحب نے کہا "اب بتائیے وقت اتنا کم ہے اور غزل بھی طرح میں کہنا ہے۔ پھر وہی کپڑے والا قصہ صاحب مجھ کو نہ لے جائیے۔"

برق صاحب نے آنکھیں نکال کر کہا "میاں توبہ ہے تم سے بھی۔ بابا تم میرا ایک جوڑا لے لو۔ بس۔ اب تو خوش ہو۔ مصرعہ طرح کیا ہے۔"

بزم صاحب نے کہا۔ ؎

میرے ذوقِ نظر کی ایک حد ہے آسماں کیا ہے

برق صاحب نے کہا "تمہارے پاس غزل تو موجود ہوگی۔ راولپنڈی کے مشاعرے کی؟"

شارق صاحب نے کہا "وہ تو۔ کہاں کیا تھا، آسماں کیا تھا میں ہے۔"

برق صاحب نے ہنس کر فرمایا "بھئی سخت بیوقوف ہو۔ تھا کو، ہے

www.taemeernews.com

بتاتے ہوئے بھی کوئی دیر لگتی ہے۔ پڑھو اپنا مطلع۔ ؎

شارق صاحب نے مطلع پڑھا ؎

فنا کے بعد اب جانا کہ پردہ درمیاں کیا تھا
کھلی جب آنکھ تو سمجھا کہ یہ خوابِ گراں کیا تھا

برق صاحب نے کہا۔ لکھیے اسے یوں ؎

فنا کے بعد جانیں گے کہ پردہ درمیاں کیا ہے
کھلے گی آنکھ تو سمجھیں گے یہ خوابِ گراں کیا ہے

برق صاحب نے شارق صاحب کے تمام "کو" "ہے" کرنے میں مصروف تھے اور ہم پر یہ صداقت چھائی جا رہی تھی کہ واقعی یہ قوم نہ تو شاعر ہے نہ اس کو متشاعر ہی کہہ سکتے ہیں۔ اس کا اگر کوئی نام ہو سکتا ہے تو وہ مشاعر اور صرف مشاعر ہے۔

www.taemeernews.com

بخیالِ خویش خبطے

اللہ جانے یہ مولوی نوراللہ ہمارے کن گناہوں کا عذاب ہیں؟
ہزار مرتبہ سمجھایا کہ مولانا چاہے جیسی قسم لے لیجئے پاکستان صرف ہم نے نہیں بنایا ہے اور نہ اس کے آئین کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ہمارا قصور اگر ہے تو صرف اتنا کہ پاکستان کا نعرہ بلند کرنے میں ہم ضرور شریک تھے اور پاکستان بن جانے کے بعد جتنی خوشی دوسرے مسلمانوں کو ہوئی اگر اس سے زیادہ ہم کو ہوئی ہو تو جو چور کی سزا وہ ہماری۔ مگر توبہ کیجئے وہ تو غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیا دھرا ہمارا ہے۔ جان کو آگئے ہیں زندگی عذاب کر رکھی ہے اور اب یہ قطعی طے ہے کہ ہم دونوں بیک وقت اس دنیا میں رہ ہی نہیں سکتے، یا مولوی نوراللہ زندہ رہیں گے یا ہم، خواہ اس سلسلہ میں بزدلی خودکشی کی ترغیب دے یا ہمت قتل کی ترکیب سمجھائے۔
بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ گھر سے نکلے اور مولانا نے آدبوچا حضرت میں نے کہا۔ السلام علیکم۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے اپنا پاکستان۔
اور ہم نے گھوم پھر کر دیکھا تو صرف ایک راہ گیر نظر آیا جو نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی بائیسکل پر سوار چلا جا رہا تھا، اب ہم حیران کہ یا اللہ اس راہ چلنے والے کی کونسی بات مولانا کو ایسی ناگوار گزری ہے کہ ہم کو پاکستان کے طعنے دیئے جا رہے

www.taemeernews.com

ہیں - ابھی ہم سمجھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ مولانا بالکل قریب آکر بولے ۔۔
" نام رکھا ہے پاکستان - دعویٰ یہ تھا کہ صاحب ہم کو ایک ایسا خطۂ زمین چاہیے جہاں ہم اپنی روایات کو نذر کر سکیں - ہم کو ایک ایسی مملکت چاہیے جہاں ہم مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں اور دنیا کو اسلامی جہانبانی سے ایک مرتبہ پھر روشناس کرا سکیں اور حال یہ ہے کہ اب تک ڈاکٹر پوجے جا رہے ہیں - انگریزی دواؤں کے بغیر گویا زندہ ہی نہیں رہ سکتے - جب تک انگریزی میں لکھا ہوا نسخہ نہ ہو اس وقت تک جیسے موت ٹل ہی نہیں سکتی - "

حیرت سے پوچھا " کیسا ڈاکٹر مولانا - کس کی دوا - کہاں کے نسخے "
اُن ہی تیوروں سے بولے - " شیخ صاحب بیمار ہیں نا - اسلامی اخلاق ہے کہ عیادت کرنا چاہیئے پڑوسی کی، میں بھی چلا گیا - دیکھنے تو کیا دیکھتا ہوں کہ میز پر ہی انگریزی دواخانہ سے آیا ہوا مکسچر رکھا ہوا ہے اور منہ میں وہی حرارت دیکھنے کا آلہ لئے پڑے ہیں - میاں میں پوچھتا ہوں کہ دنیا جہان سے حکیم اُڑ گئے ہیں - کیا یونانی طب دنیا سے ناپید ہو چکی ہے اور کیا پاکستان بن جانے کے بعد یہ شرم کی بات نہیں کہ یہاں اب بھی ڈاکٹروں کو ترجیح حاصل ہو اور حکیموں کو پاکستان میں بھی نہ پوچھا جائے، اپنا اسلامی طریقۂ علاج چھوڑ کر ہم آزاد ہونے کے بعد بھی انگریزوں ہی کی غلامی کر رہے ہیں - "

دبی زبان سے عرض کیا " اچھا گویا آپ نے ہندو پانی اور مسلمان پانی کی طرح طب کے بھی مذہب مقرر کر دیئے ہیں اسلامی طب اور انگریزی طب - "
آنکھیں نکال کر بولے " میاں ان ہی باتوں سے آگ لگتی ہے تن بدن میں مذہب میں نے مقرر کئے ہیں یا اصل میں ہے یہی قصہ - یہ ڈاکٹری انگریزی نہیں

www.taemeernews.com

تو کیا اسلامی طریقۂ علاج ہے ۔"

بہت ادب سے عرض کیا "اچھا فرض کیجئے، ڈاکٹر یہی نسخے اردو میں لکھنے لگیں تو ۔"

لیجئے ان کو ایک نیا مبحث مل گیا "بس اب منہ نہ کھلواؤ میرا بڑے دعوؤں سے پاکستان بنایا تھا معلوم ہوتا تھا کہ کایا ہی پلٹ جائے گی اور دن پھر جائیں گے مسلمانوں کے بھی مگر میں تو اب تک یہی دیکھ رہا ہوں کہ وہی ایم ۔ اے ۔ بی ۔ اے کی پنج یہاں بھی لگی ہوئی ہے ۔ اردو کا یہاں بھی وہی حال ہے جو پہلے تھا ۔"

اس غلط بیانی کی تردید کیونکر نہ کرتے عرض کیا "مولانا یہ تو آپ کی زیادتی ہے، اردو کو یہاں کی قومی اور سرکاری زبان تسلیم کیا جا چکا ہے اور خدانخواستہ پاکستان نہ بنتا تو اردو مذہب کو پنپنے کے لئے یہ گوشہ بھی نہ ملتا اور وہی حال ہوتا جو آج ہندوستان میں اردو کا ہے ۔"

دانت پیس کر بولے "پھر وہی ۔ جان بوجھ کر آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو ۔ سرکاری اور قومی زبان تو بنا دیا گیا ہے اردو کو پھر کیوں دفتری کارروائیاں انگریزی میں ہوتی ہیں ۔ پھر کیوں سرکاری ملازمتوں کے لئے اردو کی قابلیت نہیں دیکھی جاتی بلکہ انگریزی ڈگریاں دیکھی جاتی ہیں ۔ ڈاک کے ٹکٹوں پر انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی پاکستان لکھ دیا گیا ہے مگر ان ٹکٹوں پر جو مہر لگتی ہے وہ کس رسم الخط میں ہوتی ہے ۔ ہوائی ڈاک کا لیبل کس زبان میں ہے ۔"

عرض کیا "مولانا آپ تو نہایت جزوی باتیں کر رہے ہیں اور لطیفہ یہ ہے کہ خود بھی لیبل کہہ گئے ۔"

کچھ ہکلا کر بولے "وہ میں اس لئے کہہ گیا کہ میرے نزدیک تو کوئی

www.taemeernews.com

تبدیلی پیدا ہی نہیں ہوئی ہے ۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ خدا لگتی کہیئے گا کہ کیا یہ انگریزیت نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ ایران تشریف لائے تو ان کو بھی ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری دی گئی ہے ۔

عرض کیا : اور نہیں تو کیا آپ کی رائے میں کوئی منشی وغیرہ کی اعزازی ڈگری پیش کی جاتی ۔

کہنے لگے : برادر مکرم آپ تو مضحکہ خیزی پر اتر آئے مگر یقین جانیئے کہ اگر ایک اسلامی مملکت کی طرف سے ان کی خدمت میں علوم اسلامی کی دستار فضیلت پیش کی جاتی تو ہم بھی کہتے کہ ہاں صاحب یہ بات ہوئی ہے پاکستان کی شایان شان ۔ مگر ہمارے اس کے یہاں بھی وہی ہوا جو انگلستان میں ہو سکتا تھا ۔ صاحب ان کی تشریف آوری کے سلسلہ کی کونسی تقریب ایسی تھی جس میں انگریزیت نہ ہو عصرانہ کو گارڈن پارٹی کہا گیا ۔ اور انگریزی میں اس کے دعوت نامے چھپ کر تقسیم ہوئے ۔ عشائیہ کو ڈنر کہا گیا اور کیوں نہ کہا جاتا جبکہ میز کرسی پر خالص انگریزی طریقے سے بیرونی مے کھانا کھلایا یا انگریزی لباس میں لوگ شریک طعام ہوئے اور اپنی ایک ایک ادا سے اس بات کا یقین دلایا کہ انگریز تو چلا گیا ہے مگر اس کا بھوت ابھی تک موجود ہے ۔

مولانا سے بحث کرنا تو بے کار تھا ۔ ٹھنڈے دل سے عرض کیا : گویا اعتراض صرف یہ ہے کہ فرشی دسترخوان پر کھانا کیوں نہ چنا گیا اور اس کے بجائے ڈنر کے ما حضر کیوں نہ کہا گیا ۔

اور مولانا کو زیادہ خوش کرنے کے لئے عرض کیا : ایک بات تو خود مجھ کو بھی کھٹکی تھی کہ فوجی پریڈ میں آخر سیلوٹ کا اب کیا تک ہے جبکہ ہمارے یہاں السلام علیکم آداب عرض اور تسلیمات عرض وغیرہ وغیرہ موجود ہیں ۔

www.taemeernews.com

مولانا غالباً اس پہلو کو بھولے ہوئے تھے ایک دم ابل پڑے : جی ہاں ۔ اور صرف سلیوٹ ہی نہیں بلکہ پوری قواعد انگریزی میں ہوئی حالانکہ اگر اپنا خیال تھا تو اردو میں ہوتی یا اگر مہمان کا خیال تھا تو فارسی میں سہی وہ بھی آخر اپنی ہی زبان ہے مگر اردو یا فارسی میں ہوتی تو کیوں ہوتی جبکہ تماشائیوں میں سو فیصدی انگریزی لباس پہننے والے موجود تھے ۔ کیوں صاحب کیا یہ ہمارا اور آپ کا بلکہ حکومت کا فرض نہیں ہے کہ اب جبکہ انگریز جا چکا اور ہم آزاد ہیں ۔ اپنی آزاد مملکت ہے تو قانوناً اس انگریزی لباس کو ممنوع قرار دیا جائے اور عبرت انگیز سزائیں دی جائیں اس سوٹ پہننے والوں کو اور ٹائی کالر باندھنے والوں کو ۔"

عرض کیا : یا کم سے کم یہ کیا جائے کہ صافہ کرتہ اور تہبند استعمال کرنے والوں کو سرکاری وظائف ہی ملنے لگیں تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ حکومت کی خوشنودی اسی لباس سے حاصل کی جا سکتی ہے ۔"

بڑی مایوسی سے بولے : اجی توبہ کیجئے وظائف تو در کنار حال تو یہ ہے کہ ایک سوٹ پہننے والا اب بھی جہاں چاہتا ہے دندناتا ہوا چلا جاتا ہے اور اس قسم کا سادہ لباس پہننے والا خواہ کوئی بھی ہو اپنا بھرم مشکل ہی سے قائم کر سکتا ہے ۔ پولیس والا جب ٹوکے گا اسی مرد مسلمان کو ٹوکے گا ۔"

عرض کیا : ہر چند خود میرے داڑھی نہیں ہے مگر میں اکثر غور کیا کرتا ہوں کہ آخر اہل پاکستان سے داڑھی کیوں نہیں رکھوائی جاتی ۔"

مولانا کو ایک بھولی ہوئی بات یاد آگئی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر بولے ۔ "اب دیکھ لیجئے کہ ہمارا نیا بجٹ آیا ہے ۔ بہت عمدہ بجٹ ہے یعنی میزانیہ معاف کیجئے گا میں نے بجٹ اس لئے کہا تھا کہ شاید میزانیہ نہ سمجھیں ۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ نہایت لاجواب ہے یہ میزانیہ البتہ اگر اس میں داڑھی مونڈنے

www.taemeernews.com

والوں پر ایک ٹیکس۔ خیر یہی کہنا چاہیے اس ٹیکس کو بہر حال اگر داڑھی مونڈنے والوں پر ایک جزیہ عائد کر دیا جاتا اور یہ داڑھی مونڈنے کے اُسترے دن کے نرخ بڑھا دیئے جاتے اور حجاموں پر پابندیاں عاید کر دی جاتیں تو یقیناً یہ اندازہ ہوتا کہ حکومت کا منشا کیا ہے۔ جناب والا اگر داڑھی مونڈنے پر جزیہ عائد کر دیا جائے اور مونچھیں مونڈھنا خلاف قانون کر دیا جائے انگریزی وضع کے بال بغیر طبی سند کے کوئی نہ رکھ سکے اور ایسا انگریزی سامان آرائش ممنوع قرار پا جائے تو نقشہ ہی نہ بدل جائے پاکستان کا۔"

عرض کیا "اگر اہلِ پاکستان کا بدل جائے تو نقشہ بدلنے میں کیا دیر لگتی ہے۔"

مولانا نے اپنی تائید پا کر انداز گل افشانی گفتار کے اور بھی جوہر دکھائے کہنے لگے "بھئی اگر سچ پوچھیے تو میں یہ سمجھتا تھا کہ پاکستان وہ سرزمین ہوگی جہاں ہر طرف نور ہی نور ہوگا اس مغربی ظلمات کا کوسوں پتہ نہ ہوگا کس قدر طبیعت خوش ہوتی اگر چودھری سر ظفر اللہ خاں صاحب لیک سکس میں بھی اُردو میں ہی تقریریں کرتے۔"

عرض کیا "جی اور کیا دنیا کو غرض ہوتی تو خود ترجمے کراتی پھرتی۔"
کہنے لگے "بھائی میرے اُردو زبان اس وقت تک عالمگیر حیثیت حاصل ہی کیونکر کر سکتی ہے جب تک کہ عالمگیر معاملات میں اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ صاحب آگ ہی تو لگ جاتی ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے پاکستان میں بھی جس کو دیکھیے وہ انگریزی ہی اخبار پڑھتا ہے گویا انگریزی اخباروں کی خبریں زیادہ سچی ہوتی ہیں اور اُردو اخبار گویا کسی قابل ہی نہیں ہیں۔ اب ایمان سے کہتے کہ کیا اس کی ضرورت نہ تھی کہ انگریزی اخباروں کا ایک

www.taemeernews.com

سرے سے مقاطعہ کر دیا جاتا کہ جائیے تمہارے پڑھنے والے تشریف لے گئے۔ بقول،

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

مگر میں تو جو زندہ رشتہ انگریزی اخباروں کا دیکھ رہا ہوں وہ اُردو کے اخباروں کا کم سے کم مجھ کو نظر نہیں آتا۔"

مولانا کو ایک اور گوشہ تھماتے ہوئے عرض کیا۔ "بات یہ ہے قبلہ کہ خبر رساں ایجنسیاں اب تک انگریزی میں ہی تار بھیجتی ہیں۔"

مولانا جلبلا گئے۔ "وہ بھیجتی اس لئے ہیں کہ ان پر کوئی قانونی پابندی عاید نہیں کی گئی ہے ذرا سرکاری طور پر ان کو منع کر کے دیکھا جائے طبیعت ٹھکانے آجائے گی اور آنے لگیں گے اُردو میں تار وار سب، مگر آپ کے پاکستان والوں کو اس کا خیال ہی کب ہے اور یہ درد ہی کس کو ہے۔"

اب ہم نے بھی احتجاج کیا۔ "مولانا یہ آپ میرا پاکستان کیوں بنائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان جس قدر آپ کا ہے اس سے زیادہ میرا نہیں مگر آپ طعنہ صرف مجھ کو دیتے ہیں۔"

کہنے لگے "یہ جو طعنہ یوں دیتا ہوں کہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی وضع قطع آپ کا طرز معاشرت اور آپ کے رہنے سہنے کے طور طریقے۔ یہ جو آپنے اپنی مردانہ نشست کا اسم مبارک ڈرائنگ روم رکھ چھوڑا ہے اور اس میں بجائے مسند اور تکیہ کے صوفہ سیٹ سجا رکھے ہیں، اور دیواروں پر تصاویر آویزاں ہیں عجیب عجیب قسم کی اور یہ جو آپ کا کھانے کا کمرہ ہے جسے آپ ڈائننگ روم کہتے ہیں میز کرسیوں سے آراستہ ہے۔ یہ سب انگریزیت نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ پاکستان کی مناسبت سے اپنے ان کمروں کو بھی اب مشرف با اسلام کرتے۔ معلوم تو ہوتا کہ یہ ایک پاکستانی کا

www.taemeernews.com

گھر ہے۔ صاحب اس قسم کے گھر تو آپ کو انگلستان میں بھی مل جائیں گے ان میں پاکستانی خصوصیت کیا ہے اور یہ جو آپ کوٹ اور پتلون زیب تن کئے ہوئے ہیں کیا آپ کا قومی لباس ہے ارے بھئی میں نے تو کسی انگریز کو بھی نہیں دیکھا کہ اس نے آپ کے ملک میں آکر شیروانی پہنی ہو، یا پاجامہ زیب تن کیا ہو اور آپ ہیں کہ اپنے ہی ملک میں بیٹھے دوسروں کے لباس تک اپنا لیتے ہیں۔ غیر پہلے تو آپ غلام تھے مگر اب تو آپ آزاد ہیں اب تو آپ کو چاہیئے کہ اپنا قومی لباس اختیار کریں تاکہ جس طرح اب تک آپ نے دوسروں کے سوٹ پہنے ہیں اُسی طرح اب دوسرے آپ کا لباس فخر کے ساتھ استعمال کریں۔"

عرض کیا: "مولانا یہ بات آپ نے کچھ واقعی معقول نما کہی ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ ابھی تک ہمارا قومی لباس طے نہیں ہوا ہے۔"

مولانا بولے۔ "تو آخر کب طے ہوگا جب یہ سوٹ آپ کی کھال بن کر رہ جائے گا۔ آخر اب تک قومی لباس تک طے کرنے کا ہوش نہیں آیا۔"

عرض کیا: "مولانا قصہ دراصل یہ ہے کہ ابھی اہم کاموں کا انبار ختم نہیں ہوا ہے کہ ان جزویات کی طرف بھی توجہ دی جا سکے۔ ابھی تو اپنے کو منظم اور مستحکم کرنے کے نہایت اہم مسائل میں الجھے ہوئے ہیں سب کے سب بہرحال جب تک ہم اور آپ ہی طے کر لیں کہ قومی لباس کیا مناسب رہے گا۔"

کہنے لگے "بس دیکھ لو مجھ کو نہایت شریفانہ لباس پہنے کھڑا ہوں۔"

ہم نے سر سے پیر تک مولانا کا جائزہ لے کر عرض کیا: "ممکن ہے کہ یہ شریفانہ ہو مگر ہم کو ان میں سے کچھ غیر شریف طبقہ کے لئے بھی تو چھوڑنا پڑیں گی آخر وہ بیچارے کیا پہنیں گے۔"

www.taemeernews.com

کہنے لگے "دیکھئے صاحب یہ رہا صافہ نہایت تیتی چیز بھی ہے اور بھاری بھرکم بھی جتنا چاہے اس کو خوشنما بنا لیجئے پھر یہ کہ خالص اسلامی چیز ہے۔"

عرض کیا "دیکھئے قبلہ! خلاف یہیں سے شروع ہو جائے گا اس لئے قومی لباس میں اگر اب تک کوئی چیز طے ہو سکی ہے تو وہ صرف سر کی پوشش ہے اور آپ بھول رہے ہیں شاید کہ جناح ٹوپی کو قومی لباس کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔"

مولانا نے بھی عید کے دن جناح ٹوپی پہنی تھی جو خود تو ٹی کوزی معلوم ہی ہوتی تھی مگر مولانا اس حد تک کیتلی نظر آتے تھے کہ گویا ذرا سر جھکایا اور ناک سے بھاپ نکلتا ہوا چائے کا پانی نکلنے لگے گا۔ غالباً خود مولانا کو بھی اپنا وہ حلیہ یاد آگیا ہو گا کہنے لگے۔" جناح ٹوپی ہے تو ٹھیک مگر صافہ بھی ترک نہ کرنا چاہیئے۔ بہر حال چلئے جناح ٹوپی سہی اس کے بعد لمبا کرتہ کرتے پر جاڑوں میں صدری اور گرمیوں میں کچھ نہیں ۔۔۔"

عرض کیا "غضب کر رہے ہیں آپ مولانا اب یہ لباس آپ پہنیں گے تو کانگریسی نیتا کیا کریں گے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آپ صدری کہتے ہیں وہ نہرو جیکٹ کہتے ہیں لمبا کرتہ ان کا بھی ہوتا ہے۔"

بات کاٹ کر بولے "کچھ بھی اس لباس پر جُبّہ پہن لیا جائے"

مولانا شاید لباس کی اور بھی تفصیل بتاتے کہ ان کے صاحبزادے نوکر کے سر پر کموڈ اٹھوائے ہوئے جاتے نظر آئے تو مولانا نے پکارا۔

"ارے بھئی یہ کہاں لئے جا رہے ہو۔"

جواب ملا "پنڈہ جڑوانے لے جا رہا ہوں صبح ٹوٹ گیا تھا نا۔"

اور ہم نے مولانا سے پوچھا "قبلہ یہ کموڈ اور آپ کے یہاں "

www.taemeernews.com

کہنے لگے ۔" ارے بھئی یہ کوئی میرا تھوڑی ہے جب مکان پر قبضہ کیا ہے تو یہ چیزیں مکان ہی میں سے نکلی تھیں لہٰذا اب مجبوراً ان کو استعمال کرنا ہی پڑتا ہے اور جب ان چیزوں کو استعمال کرتا ہوں ضمیر یہی ملامت کرتا ہے کہ بھلا یہ بھی کوئی پاکستان ہے، مگر میں تو کچھ بھی حال ہر طرف دیکھ رہا ہوں اور دیکھ دیکھ کر جل رہا ہوں ۔" ٭

www.taemeernews.com

جنسِ ہنر بیچتا ہوں

میں اس وقت جب بیروزگاری سے تنگ آکر یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ نمائش میں ایک اسٹال لے کر چاٹ کی دوکان کھولیں اور دہی بڑے بیچ کر کسی طرح پیٹ تو پالیں ، مرزا صاحب نے آکر ملازمت کا مژدہ سُنایا ۔ سوکھے دھانوں پر پانی برسا جی چاہا مرزا کے قدموں پر گر کر مارے شکر گزاری کے جان دے دیں ۔ کہاں ملتے ہیں کسی کو ایسے دوست جو سیہ بختی میں بھی ساتھ نہ چھوڑیں اور وقت پر یوں کام آئیں ۔ ایک تو ملازمت ڈھونڈھی پھر وہ بھی ایسی ملازمت کیوں ریاست کہیئے اس کو ۔ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ، کھانا نواب صاحب کے ساتھ اُن ہی کے دسترخوان پر ۔ رہنے کو مکان ، سواری میں موٹر ۔ خدمت کے لئے نواب صاحب کے بے شمار خدمتگار موجود اور کام صرف یہ کہ نواب صاحب کے کلام پر اصلاح دے دیا کریں ۔ گویا استادِ شہ جس سے غالب کی بھی یہ تاب ۔ یہ مجال اور یہ طاقت نہ تھی کہ پرخاش کا خیال کرتے ۔ دیر تک تو یہ یقین ہی نہیں آیا کہ مرزا جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے اور جب یقین آیا اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار نظر آئے :۔

" یعنی عجیب منحوس ہو ۔ میں نواب صاحب سے کہہ کر آیا ہوں کہ ابھی لا رہا ہوں تم کو اور تم ہو کہ منہ اٹھائے بیٹھے ہو چغد کی طرح ۔ کپڑے پہن کر چلو نا

www.taemeernews.com

میرے ساتھ پھر ان کے حرم سرا میں جانے کا وقت آجائے گا۔"

جلدی جلدی کپڑے بدلے اور ہر چند کہ سولہ پشت سے آبا کا پیشہ کچھ سپہ گری ہی کی قسم کا تھا مگر آج چونکہ شاعری ذریعہ عزت بن رہی تھی لہٰذا اپنے کو اپنے نزدیک بڑا استاد السلطان بنا کر مرزا کے ساتھ ہو لئے۔ راستہ بھر مرزا آدابِ دربار سمجھاتے رہے اور بار بار یہ اصرار کہ ذرا لئے دیئے رہنا اپنے گرا پڑا ثابت نہ کرنا۔ کلام کی فرمائش ہو تو ذرا کوئی ٹھاٹھ دار چیز سنانا۔ اور پڑھنے کا انداز ایسا ہو کہ جھوم ہی تو جائیں سب۔ ہم ایک ایک بات گرہ میں باندھتے ہوئے آخر نواب صاحب کی کوٹھی کے دروازے پر جا پہنچے یہاں مرزا نے آخری مرتبہ ہم کو سر سے پیر تک دیکھا اور ہر طرح کا اطمینان کرنے کے بعد آخری بات سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اگر اتفاق سے نواب صاحب پہلے اپنا کلام سنانے خود بیٹھ جائیں تو خواہ وہ کتنا ہی مہمل ہو مگر تم داد دینے میں زمین آسمان کے قلابے ملا دینا۔" اور اس آخری ہدایت کے بعد وہ ہم کو لے کر کوٹھی میں داخل ہو گئے۔

کوٹھی کے سبزہ زار پر اس وقت دربار لگا ہوا تھا کرسیوں پر حاضرین بیٹھے ہوئے تھے اور صدر میں ایک تخت پر ابوالہول کی نسل کے ایک بزرگ گاؤ تکیہ کا سہارا لئے اپنے شفاف سر پر خدمت گار سے تیل کی مالش کروا رہے تھے کہ مرزا صاحب نے نیچے کر فرشی سلام کرتے ہوئے کہا۔ "حضور والا دیکھئے آخر میں لے ہی آیا خنجر صاحب کو، شاگردوں کا ایک جمِ غفیر تھا اور اصلاح دینے کا سلسلہ جاری تھا مگر حضور کا نام لیا تو بیچارے سب کچھ چھوڑ کر چلے آئے۔"

ہم نے بھی فرشی سلام کیا۔ نواب صاحب نے بمشکل تمام اپنا بوجھ خود اٹھا کر ذرا سا ابھرتے ہوئے فرمایا۔ "تشریف رکھئے۔ آپ کی بڑی تعریف سنی ہے مرزا صاحب

www.taemeernews.com

سے۔ تو آپ کس قسم کے شعر بناتے ہیں۔؟"

ایک دم چکر سا آگیا یا اللہ: یہ شعر بنانا، کیا ہوتا ہے۔ مگر شکر ہے کہ مرزا صاحب ہماری طرف سے بول رہے تھے۔ "حضور مانے ہوئے اُستاد ہیں یہ ہر قسم کے شعر لاکھوں کی تعداد میں کہہ کہہ کر شاگردوں کو بانٹ چکے ہیں اور خود بھی تو تین چار دیوان اپنے ہی ہیں۔"

نواب صاحب نے یکمشت چھ سات پان اپنے تنور نما منہ میں ٹھونستے ہوئے فرمایا: "بھئی خود ان کو بھی تو بولنے دو کیا بتایا تھا تم نے لقب آپ کا۔"

مرزا نے کہا: "حضور لقب نہیں تخلص۔"

حاضرین دربار میں سے ایک صاحب بولے: "وہ بھی ایک قسم کا لقب ہوتا ہے۔"

ہم نے جلدی سے عرض کیا: "اس خاکسار کو خنجر کہتے ہیں۔"

نواب صاحب نے اگلدان میں منہ ڈالتے ہوئے فرمایا: "خنجر ٹھیک مطلب یہ کہ قتل کرتے ہوں گے آپ اپنی چیزیں سنا سنا کر لوگوں کو۔ اچھا تو پھر ہو جائے کوئی پھڑکتی ہوئی چیز۔ کیوں بھائی دلاور خاں کیا صلاح ہے۔"

دلاور خاں نے ۔۔۔۔ کہا: "کوئی حقانی چیز رہے استاد۔"

نواب صاحب نے کہا: "اماں تم تو ہو نرے گھامڑ۔ حقانی چیز کا بھلا کونسا موقع ہے نہ جمعہ نہ جمعرات۔ استاد آپ تو کوئی عاشقانہ چیز سنائیں کہ طبیعت لوٹ پوٹ ہو کر رہ جائے۔"

ایک اور صاحب بولے: "ہاں یہ بات کہی ہے سرکار نے۔ تو پھر استاد شروع ہو جائے۔"

ہم ابھی پس و پیش کر ہی رہے تھے کہ مرزا نے قہر آلود نگاہوں سے گھورا

www.taemeernews.com

اور دانت پیس کر اشارہ کیا کہ سُناؤ اور یہاں عالم ہے کہ کوئی ایسی چیز سمجھ میں نہ آرہی تھی جو اس محفل میں سُنائی جا سکے آخر مرزا نے خود ہی کہا " خنجر صاحب اپنی وہ غزل سُنائیے جس پر مشاعرے میں تمغہ ملا تھا۔ وہ کیا ہے غزل۔ گر یہاں نہ ہوا یہاں یا ہاں نہ ہوا۔"

تمغہ و مغہ تو خدا نہ کرے کہ ملتا البتہ غزل اس زمین میں ضرور تھی۔ جان پر کھیل کر یہی غزل شروع کر دی۔ اب یہ عالم ہے کہ ہم غزل پڑھ رہے ہیں اور ہر شعر پر نواب صاحب " ہے ہے ہے" کر کے نہایت بدتمیزی سے ہنس رہے ہیں۔ یا کبھی کبھی گھٹنہ پر طبلہ بجانے لگتے ہیں۔ خدا خدا کر کے بمشکل تمام غزل ختم ہوئی نواب صاحب نے داد دیتے ہوئے فرمایا " یار مزہ آگیا۔ کیا مزے کی چیز سُنائی ہے۔ اچھا تو اس پر تمغہ ملا تھا؟"

مرزا نے کہا " ایک تمغہ کیا۔ ان کا تو یہ حال ہے کہ جس مشاعرے میں پہنچ گئے بس اپنے سامنے کسی کا چراغ جلنے نہیں دیتے۔"

وہ صاحب جن کا نام دلاور خان تھا جھوم کر بولے " اور آواز بھی اپنی قسم کی بڑی پاٹ دار ہے۔"

نواب صاحب نے کہا " یہ تو بھئی مرزا صاحب تم وہ بات کر لو تاان سے بس ذرا یہ سمجھا دینا کہ اپنا ہی گھر سمجھ کر رہیں۔ ایمانداری اصل چیز ہے۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ اس ڈیوڑھی پر جو ایک دفعہ ملازم ہو گیا ہے پھر مر کر ہی نکلتا ہے۔"

مرزا صاحب نے کہا " ویسے تو میں بات کر چکا ہوں مگر ان کو لے جا کر پھر فیصلہ کئے لیتا ہوں۔"

نواب صاحب نے کہا " ہاں ساری بات صاف ہو جائے اور ہاں یہ طے کر لینا کہ پھر کسی اور کو شاگردی میں نہیں لے سکتے۔"

www.taemeernews.com

مرزا صاحب نے ہم کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔"

ہم دونوں اٹھ کر کوٹھی کے ایک علاحدہ کمرے میں پہنچ گئے تو ہم نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ "بھئی مرزا صاحب مجھ کو تو سخت وحشت ہو رہی ہے یہاں کس طرح نباہ کر سکوں گا ان لوگوں سے۔"

مرزا صاحب نے کھا جانے کے انداز سے کہا۔ "کیا مطلب۔ کونسی بات ایسی ہوئی جس سے وحشت ہوئی آپ کو۔"

ہم نے حیرت سے کہا۔ "یعنی کمال کرتے ہیں آپ جہاں تخلص کو لقب کہا جائے۔ جہاں شعر کہنے کو شعر بنانا کہا جائے۔ جہاں ایک شاعر سے حقانی اور عاشقانہ چیز سننے کی فرمائش ہو۔ جہاں بدتمیزی سے ہنس ہنس کر شعر سنے جائیں اور سن سن کر گھٹنے پر طبلہ بجایا جائے اور جہاں بجائے کلام کے آواز کے پاٹ دار ہونے کی داد دی جائے وہاں آپ کے نزدیک وحشت بھی نہ ہو کسی کو۔"

مرزا صاحب نے بگڑ کر کہا۔ "بس تو پھر جانے دو۔ بڑے شاعر بنے پھرتے ہیں۔ وہی مثل کہ گھر میں نہیں دانے اور اماں چلیں بھنانے روٹیوں کا سہارا جو نظر آیا تو دماغ میں لگا کیڑا رینگنے۔ تم تو اسی قابل ہو کہ جوتیاں گھسیٹتے پھرو۔ مگر کان کھول کر سن لو کہ اب مجھ سے کبھی اپنی بے روزگاری کا رونا رونے نہ بیٹھنا۔"

ہم نے خوشامد سے مرزا کو مناتے ہوئے کہا۔ "بھئی خفا نہ ہو۔ تم کو کیا پتہ تمہاری اس ہمدردی کا میرے دل پر کتنا اثر ہوا مگر میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آخر ان نواب صاحب کے کہیں آس پاس بھی شاعری ہے یا میں اصلاح ہی دوں گا۔ جو شخص تخلص اور لقب تک کی تمیز نہ رکھتا ہو وہ کیوں کر شاعر بن سکتا ہے جس

www.taemeernews.com

کو شعر سننا نہ آتا ہو وہ شعر کہہ کیونکر سکے گا۔"

مرزا نے ڈانٹا۔ "پھر نہی۔ میں پوچھتا ہوں تم کو آم کھانے سے مطلب ہے یا تم پیڑ گننے آئے ہو۔ تمہاری بلا سے وہ شاعر ہیں یا نہ ہیں۔ کمال تو تمہارا یہی ہے کہ تم ان کو اسی مغالطہ میں رکھو کہ وہ شاعر بن گئے ہیں۔ بھائی تم نوکری کرنے آئے ہو کچھ نہ کچھ تو قیمت دینا ہی پڑتی ہے آخر۔ اب اگر اس نازک مزاجی سے کام لوگے تو کر چکے نوکری تم۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عیش کروگے عیش یہاں۔ اور اگر ذرا عقلمندی سے کام لیا تو یہ سب بے وقوف تمہاری مٹھی میں رہیں گے۔"

طبیعت کسی طرح گوارا نہ کرتی تھی مگر یہ بھی واقعہ تھا کہ روزگار کی اور کوئی صورت بھی نہ تھی۔ ایک طرف اگر یہ صحبت ناجنس تھی تو دوسری طرف بے غرض ہم جنس جن میں سے ہر ایک قحط زدہ فاقہ مست۔ آخر ہم نے مرزا سے کہہ دیا کہ "اچھا بھائی مقدر آزمائیں گے یہاں بھی جاؤ کہہ دو نواب صاحب سے کہ ہم راضی ہیں۔"

مرزا نے پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا "یہ پس و پیش نہایت احمقانہ تھا۔ ظاہر ہے کہ بیوقوف تو ہوتے ہی ہیں یہ لوگ اور خوش نصیب ہے وہ جس کو بنے بنائے چغد مل جائیں۔ تم کو تو چاہیئے کہ نواب صاحب کو ایسا اپنے شیشے میں اتارو کہ پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔ آؤ بس یہ ٹھیک ہے اور میں نے بھی کچھ سمجھ کر ہی یہ صورت پیدا کی ہے۔"

مرزا صاحب نے اسی وقت نواب صاحب سے جاکر کہہ دیا کہ تمام معاملات طے پا گئے۔ اور خنجر صاحب اب اسی وقت سے آپ کے یہاں رہیں گے۔ یہ سنتے ہی نواب صاحب نے خدمتگار کو مٹھائی اور بیڑی پان لانے کا

www.taemeernews.com

حکم دیا تاکہ شاگردی استادی کی رسم ادا ہو جائے اور ہم سے کہا۔
"استاد اب کوئی اچھا سا۔ وہی کیا نام اس کا تلفظ"
مرزا صاحب نے بات کاٹ کر کہا "آپ کا مطلب ہے تخلص۔ خنجر صاحب ابھی کہہ رہے تھے کہ نواب صاحب کے لئے تخلص کوثر اچھا رہے گا۔"
نواب صاحب نے چونک کر کہا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے ہماری بیگم کی چھوٹی بہن کا نام ہے یہی۔"
ہم نے کہا "دیوانِ حافظ سے تخلص نکالا جائے آپ کے لئے۔"
نواب صاحب نے تعجب سے پوچھا "کون سے دیوانے حافظ؟ حافظ عبدالغفور تو نہیں۔ وہ تو آج کل باہر ہیں۔"
مرزا صاحب نے کہا "کیوں خنجر صاحب ساقی کیسا رہے گا۔"
نواب صاحب نے اچھل کر کہا "بھئی یہ ٹھیک ہے۔ کیوں استاد بڑا بانکا تخلص ہے ساقی۔"
ہم نے عرض کیا "بالکل ٹھیک بنا یت اچھا تخلص ہے اور بڑا مبارک ہے۔"
نواب صاحب نے خوش ہو کر کہا "تو اب ہمارا پورا نام ہوا نواب عبدالکریم خاں ساقی۔ مزہ آگیا یار۔"
اس عرصہ میں ملازم مٹھائی اور پھولوں کے ہار لے کر آ گیا۔ نواب صاحب نے اپنے ہاتھ سے ہمارے گلے میں ہار ڈالا اور ہم نے اپنے ہاتھ سے نواب صاحب کو مٹھائی اور قند دیتے ہوئے کہا "خدا آپ کو شیریں کلام بنائے۔"
حاضرین نے "آمین" کا نعرہ کورس میں بلند کیا اور سب نے نواب صاحب کو مبارک باد دی۔ نواب صاحب نے اسی وقت اکاون روپے

www.taemeernews.com

اور ایک قلمدان ہم کو مرحمت فرماتے ہوئے کہا:"لو اُستاد یہ اُستادی کا قلمدان ہے اب ہم شاگرد اور تم اُستاد۔اب لگے ہاتھ ایک مشاعرہ تو کر ڈالیے جلدی سے جیسا نواب ٹکاری کے یہاں ہوا کرتا ہے۔"

اب سمجھ میں آئی اس شاعری کے شوق کی وجہ کہ یہ سب کچھ نواب صاحب ٹکاری کی چوٹ پر ہو رہا ہے۔وہ ایک پڑھا لکھا صاحب ذوق رئیس دن رات اس کے یہاں بھی یہی علمی ادبی چرچے۔اچھا خاصا شعر نہ کہتا ہے آپ چلے ہیں اُس کی نقل اتارنے۔مگر اب تو کرنا ہی تھا مشاعرہ ــــ اخراجات کی منظوری لی جو نہایت فراخدلی سے دی گئی۔طرح مقرر کی۔دعوت نامے چھپوائے۔شعرائے کرام سے وعدے لئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے نواب صاحب کے لئے بھرپور غزل کہی۔مگر خدا جانتا ہے کہ غزل کہنے میں اتنی محنت نہیں پڑی جتنی محنت نواب صاحب کو پڑھنے کی مشق کرانے میں کی۔ضد یہ تھی کہ گا کر پڑھوں گا اور عالم یہ کہ ایسے بے سُرے سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا بمشکل تمام ایک ہفتہ تک شب و روز محنت کر کے موزونیت۔تلفظ اور لے کی طرف سے تو تھوڑا بہت اطمینان ہو گیا مگر آواز تو ظاہر ہے کہ جیسی تھی ویسی ہی رہی۔اس ایک ہفتہ میں معلوم یہ ہوتا تھا کہ اچھے خاصے بینڈ ماسٹر ہو کر رہ گئے ہیں نواب صاحب غزل پڑھ رہے ہیں اور ہم ان کے سامنے کھڑے ہوئے ہاتھ سے اتار چڑھاؤ سمجھا رہے ہیں۔خدا خدا کر کے مشاعرے کی رات آئی۔نواب کی کوٹھی پر جشن کا سماں تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ نواب صاحب دولہا بنے بیٹھے ہیں۔شہر کے تمام اعلیٰ حکام،رؤسا اور شعراء میں سے تمام نامی گرامی شاعر محفل میں موجود۔لیجئے مشاعرہ شروع ہو گیا اور بڑی کامیابی کے ساتھ اس وقت تک جاری رہا جب تک شمع محفل

www.taemeernews.com

نواب صاحب کے سامنے پیش آئی ۔ اب جو ہمارے خداوندِ نعمت کی باری آئی تو ایک تو جناب کی قطع اس پر سے گھبراہٹ پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ طرز بھول گئے جو صاحب پہلے پڑھ رہے تھے اُن ہی کی دُھن میں شروع ہو گئے اور وہ بھیانک آواز نکالی کہ لاکھ ضبط سے کام لیا پھر بھی لوگوں کی ہنسی نہ رُکی بمشکل تمام اس طوفان کو رکوایا تو کسی بدتمیز سخن فہم نے داد دیتے ہوئے کہہ دیا : کیا کہنا ہے خنجر صاحب رنگ چھپائے نہیں چھپتا ۔ لاکھ عقل کے نیلام کنندہ سہی مگر یہ چوٹ سمجھ گئے اور تیور بگڑ گئے ۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ بحیثیت اُستاد کے آخر میں جو غزل ہم نے پڑھی تو وہ اتفاق سے خوب چلی چھتیں اڑ گئیں ۔ دسویں پار ہو گئے ۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مشاعرہ تو خیر ختم ہو گیا مگر شامت آئی ہماری ۔ فوراً طلبی ہوئی اور اب جو دیکھتے ہیں تو نواب صاحب پھولے اندر سے بیٹھے ہیں ۔ ہم کو دیکھتے ہی برس پڑے :۔

" کیوں صاحب یہی ہے آپ کی وفاداری کہ آپ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ۔ آپ کا قصور نہیں ہے یہ خطا ہے میرے نمک کی میرا مذاق اُڑوایا ۔ لوگوں سے کہتے پھرے کہ میں نے غزل لکھ کر دی ہے ۔"

عرض کیا : توبہ ۔ توبہ ۔ بھلا یہ کیونکر ممکن تھا مجھ سے ۔ یہ آپ سے کس نے کہا ۔"

نواب صاحب نے آنکھیں نکال کر : کہتا کون ۔ میں نے خود سنا کہ لوگ آپ سے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ رنگ چھپائے نہیں چھپتا ۔ اس کا کیا مطلب تھا آخر ، پھر یہ کہ اپنی غزل ایسی تگڑی بنائی اور میری ایسی پھسپھسی ۔"

عرض کیا : یہ بھی جناب والا کا خیال ۔ کسی سخن فہم کے سامنے دونوں غزلیں رکھ دیجئے کہ کونسی غزل اچھی ہے میں نے تو خود غزل کہا اچھے اچھے شعر آپ

www.taemeernews.com

کے لئے نکال دیئے تھے اور کمزور شعر اپنے لئے رکھ لئے تھے۔"

نواب صاحب نے کہا "یہ سب کہنے کی باتیں ہیں یہی بات تھی تو آپ کی غزل کیوں چلتی اس قدر اور میری غزل کا کیوں مذاق اڑتا اتنا۔"

اب یہ بات نواب صاحب کو کیونکر سمجھائی جاسکتی تھی کہ مذاق غزل کا نہیں بلکہ خود آپ کا اڑا ہے۔ آخر عاجز آکر عرض کیا "بہر حال آئندہ سے میں خود مشاعرہ میں غزل نہیں پڑھوں گا۔"

غالباً نواب صاحب یہی چاہتے تھے سمجھاتے ہوئے بولے "اب دیکھئے نا آپ کو تنخواہ کیا اسی بات کی ملتی ہے کہ ہم نے آپ کی شاعری کو گویا خرید لیا ہے آپ نے کسی زردوزی کا کام کرنے والے کو یہ نہ دیکھا ہوگا کہ وہ خود زردوزی کا لباس پہنے۔ آپ نے کسی دھوبی کو نہ دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے کپڑوں پر استری کر کے پہنے اور گاہکوں کے کپڑے رہنے دے۔ آپ نے کسی بڑھئی کو نہ دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے لئے میز کرسیاں بنالے۔ یہ سب کچھ وہ بناتے ضرور ہیں مگر بیچنے کے لئے۔ اسی طرح کے آپ بھی کاریگر ہیں۔ آپ بھی شعر بناتے ہیں مگر اپنے لئے نہیں، اب خود اپنا شاعر ہونا بھول جائیے۔"

دلاور خان نے ہاں میں ہاں ملائی۔ "اور نہیں تو کیا میاں تم اپنے بچوں کا خیال کرو۔ یہ تو سب امیروں رئیسوں کے شوق ہیں۔ شاعر بنو گے تو کیا کھاؤ گے۔"

اور سب نے بھی قائل کیا اور آخر ہم خاموش ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ اب ہم کو شعر گوئی کی قطعاً اجازت نہیں جو کچھ کہیں وہ نواب صاحب کا۔ خود نہ کسی مشاعرے میں شرکت کی اجازت نہ کسی رسالے میں کلام بھیجنے کا اختیار۔ البتہ کہتے

www.taemeernews.com

رہتے ہیں دن رات اور خدا کے فضل سے نواب صاحب کا تیسرا دیوان آج کل پریس میں ہے۔ اس دیوان کے ہر مصرعہ کے اعداد نکالنے سے ہماری تاریخِ وفات نکلتی ہے۔ ویسے خدا نے واقعی ہمیں جنّت نصیب کر رکھی ہے۔

www.taemeernews.com

کافی

چونکہ میرا تعلق ریڈیو سے ہے لہٰذا غلط فہمی کا قوی امکان ہے کہ شاید میں نے ملتانی کافی کے متعلق کوئی نہایت فنی اور تحقیقاتی مقالہ لکھ مارا ہے۔ حالانکہ میرا مقصد اس وقت گانا نہیں بلکہ محض رونا ہے میں اپنا درد دل بیان کرنا چاہتا ہوں اور اگر ہمدردی دینا سے واقعی مفقود نہیں ہو گئی ہے تو مجھ کو امید ہے کہ میرے ساتھ میری اس بپتا کو پڑھنے والے بھی بغیر روئے نہ رہ سکیں گے۔"

صاحب اس خونچکاں داستان کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ مجھے حقہ پینے کے سلسلے میں حقے کا پانی پینا پڑا تھا۔ بہت کم صاحبانِ ذوق ایسے ہوں گے جن کو حقے کا پانی پینے کا اتفاق ہوا ہو۔ مگر مجھ پر یہ اتفاق یوں گزرا کہ ایک مراد آبادی دوست نے جگر مراد آبادی سے نہیں بلکہ ایک اور کرم فرما نے مجھ کو ایک نہایت لاجواب حقہ لا کر دیا۔ اس تحفہ سے قبل مجھ کو حقہ سونگھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر حقہ پینے کی نوبت کبھی نہ آئی تھی مگر اس تحفہ نے تو گویا ثابت یہ کیا کہ حقہ نوشی کا جذبہ ہمارے اندر خدا جانے کب سے ظہور میں آنے کے لئے بیقرار تھا۔ جس کو گویا اس تحفہ کے سلسلہ میں ایک بہانہ مل گیا۔ اسی وقت بڑے ارمان کے ساتھ نہایت پر تکلف نیچہ بنوایا

www.taemeernews.com

گیا۔ بہتر سے بہتر چلم خریدی گئی، قیمتی سے قیمتی خمیرہ دستیاب کیا۔ حقہ نوش احباب سے کما حقہ معلومات حاصل کرنے کے بعد نیچے کی عطر میں بسایا۔ چلم کے لئے اعلیٰ درجہ کا سرپوش خریدا۔ چاندی کی منہال بنوائی، نازک سا دست پناہ بنوایا۔ مختصر یہ کہ حقّہ کا حق ادا کر دیا اور دوڑ دوڑ کر اس سلسلہ کا ہر کام خود کیا۔ اس لئے کہ سعدی کا یہ مقولہ ذہن میں محفوظ تھا کہ ؎

حقّہ کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردئی ہمسایہ در بہشت

اور اس دن جب کہ حقّہ کی رسم افتتاح ہونے والی تھی دو چار حقّہ نوش دوست بھی بٹورے اور اب جو چلا ہے وہ دھواں دھار حقّہ اور مہکی ہے خمیرے کی خوشبو تو طبیعت باغ باغ ہوگئی ماہرین سے حقّہ پینا سیکھا تاکہ ایسے مستند حقّہ کو لے کر اس فن میں اناڑی نہ معلوم ہوں۔ شام تک دو تین چلمیں تلے اوپر بھری گئیں اور دور چلتا رہا۔

مگر دوسرے دن ہم تنہا تھے۔ حقّہ تازہ کیا پانی بدلا۔ چلم بھری اور باقاعدہ اخبار لے کر گاؤ تکیہ لگا کر اب جو رئیسانہ انداز سے حقّے کا کش لیتے ہیں تو منہ کے اندر حقّہ ہی حقّہ۔ یعنی حقّہ کا تمام پانی گویا کھینچ کر منہ میں اور منہ سے تھوڑا سا بہت حلق کے نیچے، کلی کی، منہ صاف کیا۔ اور بمشکل تمام یہ بات سمجھ میں آسکی کہ پانی زیادہ تھا۔ خیر اس کا توازن کو بھونک پھانک کر لیا۔ مگر وہ پانی جو پہلے منہ میں بھر گیا تھا اس کا مزہ آج تک نہیں بھولے ہیں۔

اس واقعہ کو مدتیں ہوچکیں ہیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی حقّے کا پانی پینے کی نوبت نہیں آئی۔ مگر اس کا مزہ اس قدر تازہ ہے کہ گویا آج ہی کی

www.taemeernews.com

بات ہو۔ ورنا معقول مزہ ایک مرتبہ پھر کچھ اس طرح چکھنا پڑا کہ ایک خالص صاحب بطور دوست کے یہاں کھانے پر جانے کا اتفاق ہوا کیا کہنا ہے کھانے کا وہ کھانا جس میں شریک موجود ہو۔ جیسا کچھ بھی ہو سکتا ہے اس کو کچھ اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر پڈنگ بھی وہ کہ انسان معدے کی وسعت پر روتا ہوا دستر خوان سے اٹھے۔ مختصر یہ کہ بڑا ہی لذیذ کھانا کھلایا ہمارے اس دوست نے۔ کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں اخروٹ اور بادام کے کڑا کے ہوتے رہے۔ خوش گپیاں اور میوے سے شغل جاری تھا۔ کہ بیرا ایک ٹرے میں خوبصورت چھوٹی چھوٹی پیالیاں لئے داخل ہوا اور حاضرین نے اپنی اپنی پیالی خود بنالی۔ ہم نے بھی کہا کہ چلو یہ بھی سہی ایک پیالی ہم نے بھی تیار کر لی۔ مگر اب جو اس کا گھونٹ لیتے ہیں تو ــــ وہی حقے کا پانی کمبخت سانپ کے منہ میں چھچھوندر بن کر رہ گیا وہ گھونٹ نہ اگلا جائے نہ نگلا جائے بمشکل تمام دوا کے طور پر اس گھونٹ کو نگلا اور گھبرا کر اپنے دوست سے پوچھا۔

"بھئی یہ کیا چیز ہے۔؟"

ان حضرت نے ہم کو عجیب چیز سمجھتے ہوئے کہا :۔

"کیوں کیا ہوا۔ کافی ہے۔"

اور ہم نے دیکھا کہ سب ہی حاضرین بڑے مزے سے بیٹھے یہ حقہ کا پانی پی رہے ہیں۔ دو تین مرتبہ ہمت کر کے پھر ایک گھونٹ لیا۔ اور اب بالکل تصدیق ہو گئی کہ واقعی حقے کا پانی ہی ہے۔ طبیعت اندر سے الٹنے لگی مگر برا ہو تہذیب مجلس کا کہ اگر احتجاج کرتے ہیں تو سخت قسم کے

www.taemeernews.com

گاؤدی سمجھے جائیں گے۔ چھوڑتے ہیں اس کو تو ممکن ہے کہ یرا بی جانور سمجھ بیٹھے۔ ایک مرتبہ ہمت کر کے آنکھیں بند کیں، سانس کو روکا اور الٹ لی پوری پیالی منہ کے اندر۔ جان تو چھوٹ اس نامعقول کافی سے۔ اور جلدی سے پان کھا کر طبیعت کو اس طرف سے ہٹانے لگے اس محفل سے آدھی رات کے بعد گھر آنا ہوا اور اب جو بستر پر جاتے ہیں تو نیند کا کوسوں تک پتہ نہیں آنکھیں بند کر کے لیٹے۔ طرح طرح کے تصوّر باندھے کروٹیں بدلیں۔ کمبل زیادہ معلوم ہوئے تو ایک کو اتار دیا پیر تھوڑے سے کمبل کے باہر نکال لئے مگر نیند ایسی غائب کہ گویا ہم سونے کے عادی کا نہیں ہیں۔ اٹھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کا گلاس پیا پھر لیٹے پھر کروٹیں بدلیں۔ اپنے کو خود طرح طرح کی لوریاں سنائیں۔ مگر جب جب گھڑی صبح کے پانچ بجا رہی تھی ہم سونے کی ورزشوں میں مصروف تھے۔

دوسرے دن لوگوں سے ذکر کیا تو پتہ چلا کہ کافی کی خشکی ہم کو راس نہیں آئی۔ اور کان پکڑ کر توبہ کی کہ آئندہ اس نامعقول چیز کے پاس بھی نہ پھٹکیں گے۔ جس محفل میں کافی اس میں ہم ناکافی۔ کوئی لاکھ تواضع کرے یہاں صاف انکار۔ مگر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا رواج واقعی ایسا عام ہو چکا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بچ کر کوئی کہاں تک رہے۔ بڑے بڑے شہر قسم اجتماع کہاں ہوتے ہیں کافی ہاؤس میں احباب جو کہیں نہ مل سکیں اگر ملیں گے تو کافی ہاؤس میں۔ ایک ترقی پسند دوست تو کافی ہاؤس کو ایسا اڈہ بنائے ہوئے ہیں کہ یا تو ان سے تعلقات ختم کئے جائیں ورنہ حقے کا پانی پی کر راتیں پھر تڑپا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ صرف

www.taemeernews.com

وہی نہیں بلکہ تمام ترقی پسند ادیب کافی ہاؤس ہی میں پائے جاتے ہیں۔ اور کافی کو ترقی پسند ادب میں بہت بڑا درجہ حاصل ہے بلکہ غالباً اب امتیاز کی صورت ہی یہ ہے کہ ہر وہ ادیب جو کافی پیے ترقی پسند ہے۔ اور ہر وہ ادیب جو چائے پیے رجعت پسند ہے۔ رہ گئے وہ ادیب جو کافی اور چائے دونوں کی جگہ لسی پیتے ہیں ان کے متعلق آئندہ ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس میں یہ طے ہونے والا ہے کہ ان کو صرف پہلوان سمجھا جائے۔ وہ ادب برائے ادب کے اہل ہی نہیں ہو سکتے۔ ان سے صرف ادب برائے ورزش کی امید ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے کسی ادبی نظریہ کا قائل نہ ہو تو وہ اس کو اٹھا کر پٹخ بھی سکیں۔

سوال تو یہاں اپنا ہے کہ ہم کیا کریں ادب تو درکنار کافی کو انسانیت کی بھی کوئی لازمی شرط قرار دے دیا جائے تو شاید ہم اس کو گوارا کر لیں گے۔ کہ ہمارا شمار آج سے وحوش وطیور میں کیا جائے۔ چرندوں اور درندوں میں ہم کو شامل سمجھا جائے مگر ہم کافی نہیں پی سکتے۔ ادیب سمجھے جانے کے لئے اگر کافی کی شرط ضروری ہے تو ہم کو اس پر ہرگز اصرار نہیں کہ ہم کو کوئی ادیب سمجھے مگر سوسائٹی کا کیا علاج کہ ہر ڈنر کا اختتام اسی نامراد کافی پر ہوتا ہے۔ اب تو ہم نے صاف انکار کرنا شروع کر دیا ہے بلکہ ایک آدھ ڈنر سے تو کھانے کے بعد اس طرح سر پر پیر رکھ کر بھاگے ہیں کہ گویا بیرا کافی کی پیالی لئے ہوئے دوڑا آ رہا ہے پیچھے۔ پارٹیوں میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ کیک کا ایک آدھ پیس کھا کر ایک آدھ سینڈوچ زہر مار کر کے چلے آئے اور گھر آ کر پانی پی لیا۔ مگر احتجاج تو اس پر ہے

www.taemeernews.com

کہ آخر کافی کے بغیر یہ دنیا کیا اب تک اپنے محور پر گھوم نہیں رہی تھی جو اب بغیر کافی کے چین ہی نہیں آتا۔ ایک دوست سے بحث کی تو وہ کہنے لگے کہ مجھ کو خود شروع شروع میں کافی سے سخت اختلاف تھا۔ ولایت میں کافی مجھ پر بار گزری ایک آدھ مرتبہ مگر رفتہ رفتہ کافی کا ذائقہ میری زبان پر کھلا اور جب طبیعت نے اس کو قبول کر لیا۔ تو چائے سے مجھ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی۔ عرض کیا "کہ بندہ نواز آخر کافی کے لئے اس جہاد کی ضرورت ہی کیا ہے اس طرح تو انسان شاید سنکھیا بھی اپنے اوپر جبر کر کے کھانے لگے، کہنے لگے۔ "جی نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ کافی ہے ہی عہدِ حاضر کی سب سے بڑی نعمت اگر آپ کی زبان کو لگ گئی تو۔ ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اب کون ان حضرات کو سمجھائے کہ اگر یہی حال تو امتناعِ کافی کی مہم بھی کسی خوش مذاق حکومت کو شروع کرنا پڑے گی۔ اور کافی کا پرمٹ صرف ترقی پسند ادیبوں کو مل سکے گا۔ جی تو چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر حقہ کے پانی میں چینی اور دودھ بلکہ کریم وغیرہ ملا کر ذرا چکھیں تو کافی کا مزہ حقہ کے پانی کا ہوتا ہے یا حقے کا پانی بھی کافی کا لطف دے سکتا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو جائے تو اچھا خاصا کافی ہاؤس ہم خود کھول سکتے ہیں۔ اور یہ کافی واقعی جن زبانوں پر چڑھ گئی ان کو تو کوئی اور کافی بھی پسند نہ آئے گی۔

www.taemeernews.com

میں ایک شاعر ہوں

صاحب میں ایک شاعر ہوں چھپا ہوا دیوان تو خیر کوئی نہیں ہے مگر کلام خدا کے فضل سے اتنا موجود ہے کہ اگر میں مرتب کرنے بیٹھوں تو ایک تیسور چار یا پانچ دیوان تو مرتب کر ہی سکتا ہوں۔ اپنی شاعری کے متعلق اب میں خود کیا عرض کروں البتہ مشاعروں میں جانے والے حضرات اگر کسی مشاعرے میں میرا کلام سن چکے ہیں تو وہ بتائیں گے کہ میرے متعلق عام رائے کیا ہے۔ البتہ اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ جب مشاعرے میں میرے نام کا اعلان ہوتا ہے۔ سامعین بے تاب ہو ہو کر اس وقت تک تالیاں بجاتے ہیں جب تک میں پڑھنے کے لئے اسٹیج پر نہ آجاؤں۔ اور جب تک میں پڑھتا ہوں داد کے شور سے مشاعرہ گونجتا ہی رہتا ہے۔ مجھ کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرا ایک شعر آٹھ مرتبہ مجھ سے پڑھوایا گیا تھا۔ اور پھر بھی سامعین نے یہی کہا تھا کہ سیری نہیں ہوئی یہ سب کچھ میں خود ستائی کے طور پر عرض نہیں کر رہا ہوں۔ میرا قول یہ ہے کہ من آنم کہ من آنم۔ میں تو یہ سب کچھ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اپنے متعلق تھوڑا بہت اندازہ کرادوں۔ کہ میں ان شاعروں میں سے نہیں ہوں۔ جو محض ایک تخلص پال کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اور زندگی بھر میں بس ایک آدھ غزل کہنے کے گناہگار ہوتے ہیں۔ حضرت! یہاں تو بقول شخصے۔۔۔

www.taemeernews.com

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

ابھی ہوش سنبھالا ہی تھا کہ گھر میں شعر و شاعری کے چرچے سُنے۔ مشاعروں کے کھیل کھیلے۔ اور آخر پندرہ برس کی عمر ہو گئی کہ پہلی غزل اس شان سے مشاعرے میں پڑھی ہے کہ گھر پر بڑی بوڑھیوں نے نظر اُتاری اور باہر اس فن کے بڑے بڑے مشاقوں نے اعتراف کیا کہ صاحبزادے نے پالنے ہی میں پیر دکھائے ہیں۔ مطلب یہ کہ شاعری کی ابتدا اسی عمر میں ہوئی جس کے متعلق شاعر کہہ گیا ہے۔ کہ ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
جوانی کی راتیں امنگوں کے دن

داد جو ملی تو حوصلے اور بڑھ گئے۔ اب دن رات بس ایک ہی مشغلہ ہے غزل گوئی اور غزل سرائی۔ جس مشاعرے میں پہنچ گئے بس جھنڈے گاڑ آئے۔ اپنے سامنے کسی کا چراغ نہ جلنے دیا۔ جس طرح، میں غزل کہہ رہی اس کو اپنا لیا۔ خاص شہرت حاصل کی گرہ لگانے میں۔ قصہ کوتاہ کچھ ہی دنوں میں مقامی مشاعروں کے علاوہ دُور دُور سے بلاوے آنے لگے۔ آج یہاں مشاعرہ ہے تو کل وہاں آج اس شہر میں کل اُس شہر میں، یہ سچ ہے کہ اس طرح تعلیم ضرور ناقص رہ گئی۔ مگر شاعر ہونا مسلم ہو گیا۔ آواز میں قیامت کا سوز تھا۔ اور ذہن بنانے کا سلیقہ خدا داد تھا پھر کلام کی لطافتیں۔ مختصر یہ کہ سب کچھ مل جل کر مشاعرہ لوٹنے میں مدد دیتا تھا۔ ایک نمائش کے مشاعرہ میں تو تمغہ تک دیا گیا تھا۔ اخباروں میں تصویریں چھاپی گئیں۔ رسالوں کے ایڈیٹروں نے بڑی منت کے خطوط لکھے کہ میں اپنا تازہ کلام بھیجوں۔ بے شمار رسالے اور اخبار مفت آنے لگے۔ اور ان میں میرا کلام بڑے امتیاز کے ساتھ چھپنے لگا۔ بڑے

www.taemeernews.com

بڑے سالانہ نمبروں میں صرف میری غزل کو جلی حروف میں اور خوشنما حاشیہ کے اندر ایک پورے صفحے میں چھاپا گیا۔ مختصر یہ کہ آپ کی دعا سے شہرت اور مقبولیت کی کوئی کمی نہ رہی۔ یہاں تک کہ کچھ ہی دنوں کے بعد مشق اس قدر بڑھ گئی اور کلام میں کچھ خدا کے فضل سے ایسی پختگی پیدا ہو گئی کہ بہت سے نوجوان اپنی اپنی غزلیں اصلاح کے لئے لانے لگے۔ اور اب ضرورت اس کی پیش آئی کہ ذرا اس فن کا مطالعہ بھی کر لیا جائے۔ کہ یہ فاعلاتن فاعلات آخر کیا بلا ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ پیدائشی اور فطری شاعروں کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ مگر شاگردوں کے سمجھانے اور استاد بننے کے لئے معلومات حاصل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ بہرحال اس سلسلہ میں جتنی کتابیں دیکھیں اتنی ہی طبیعت الجھی کہ یہ ہے کیا خرافات آخر ایک کتابوں کا سیٹ مل گیا۔ شاعری کی پہلی کتاب۔ دوسری کتاب۔ تیسری کتاب۔ ان کتابوں کو سلسلہ وار پڑھنے سے خود تو کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ مگر دوسروں کو سمجھانے کا مواد ضرور مل گیا اور اب شاگردوں کی غزلوں پر اصلاح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان شاگردوں کا مشاعروں میں چمکنا تھا کہ شاگردوں کی تعداد دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگی۔ یہاں تک کہ عالم یہ ہو گیا کہ ہر مشاعرے کے دن درجنوں شاگرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ اور میں ان کی غزل لکھوا رہا ہوں۔ کہ یہ مطلع تم لکھ لو اور یہ شعر تم لکھ لو۔ شاگردوں سے اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔ مگر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ خود اپنے کو اول تو اساتذہ کی صف میں جگہ ملتی ہے۔ دوسرے استاد کی غزل پر یہ شاگرد داد کا وہ شور مچاتے ہیں کہ مشاعرہ ہی سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی بدخواہ اعتراض کر بیٹھے تو یہی شاگرد مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ گویا استاد کی اچھی خاصی طاقت ہوتے ہیں یہ شاگرد۔

www.taemeernews.com

گھر میں اللہ کے فضل و کرم سے کھانے پینے کی کوئی کمی نہ تھی۔ وثیقہ بندھا ہوا تھا۔ اور باپ دادا بھی اتنا چھوڑ گئے تھے کہ چار کو کھلا کر کھا سکیں۔ لہٰذا فکر معاش کا تو کوئی ذکر ہی نہیں۔ لے دے کے بس فکر سخن ہی تھی، شاگردوں کو بھی کبھی کسی خدمت کا کوئی موقعہ نہ دیا۔ بلکہ ان ہی کی جو خدمت ہو سکی وہ کی۔ یعنی مفت کی غزلوں کے علاوہ اکثر مفت کی روٹیاں بھی مل جاتی تھیں۔ اگر کبھی کوئی شاگرد رسالوں یا آچار یا اپنے گاؤں سے گڑ وغیرہ بھی لے آیا تو یہی فکر رہتی تھی کہ اس کا بدلا کیونکر اتارا جائے۔ ایک مرتبہ ایک تنبولی شاگرد نے پانوں کی ڈھولی کی قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ کہ اگلے مشاعرے میں نہ صرف یہ کہ نہایت زوردار غزل کہہ کر ان کو دی بلکہ ان کا ریل ٹکٹ بھی خود ہی خریدا عرض تو کیا۔ کہ اس شاعری کو تجارت یا روزگار کی صورت تو کبھی دی ہی نہیں اور نہ اس کی ضرورت پیش آئی کبھی۔

ان ہی حالات میں زندگی بڑے مزے میں بسر ہو رہی تھی کہ ایک دم سے وہ انقلاب آگیا۔ جس نے ساری دنیا زیر و زبر کر کے رکھ دی۔ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس طرف آجانا پڑا۔ گھر گیا۔ گرہستی گئی۔ وثیقہ گیا۔ مختصر یہ کہ آپ "واحد حاضر" رہ گئے۔ اور باقی سب کچھ "جمع غائب"۔ اور تو اور کھانے پینے کے لالے پڑ گئے۔ دو وقت روٹیوں کا سہارا تک کو نہ رہا۔ دل میں کہا۔ جان ہے تو جہان ہے۔ ؎

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

مگر آخر کب تک نہ گھبراتے۔ پردیس میں نہ کوئی جان نہ پہچان۔ ایک نفسانفسی کا عالم۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہے، مہاجرین میں کچھ جانی پہچانی شکلیں بھی نظر آئیں مگر سب کو اپنی اپنی فکر، اور یہاں یہ عالم کہ روز بروز حالت

www.taemeernews.com

پتلی ہوتی جارہی ہے سر چھپانے کو تو خیر ایک آگ لگی ہوئی عمارت کے دو پسماندہ کمرے مل گئے مگر پیٹ کی آگ بجھانے کی سبیل نظر نہ آتی تھی۔ آخر خاندانی وضع کے خلاف روزگار کی تلاش میں نکلنا پڑا۔ یاد آیا کہ اسی شہر سے ایک رسالہ بڑے آب و تاب سے نکلا کرتا تھا۔ جس کے ایک سالنامہ میں انگور کی ایک خوشنما بیل کے حاشیہ کے اندر اپنی ایک غزل چھپی تھی۔ اور ایڈیٹر صاحب نے اس پر ایک نوٹ لکھا تھا۔ کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ لسان الزمن حضرت قیس سونڈوی نے اپنے رشحات سے ہمارے سالنامہ کو نوازا ہے، امید ہے کہ حضرت قیس آئندہ بھی ہم کو اس فخر کا موقع عطا فرماتے رہیں گے۔ چنانچہ اسی رسالے کے دفتر کا رخ کیا اور پوچھتے پچھتے آخر اس رسالے کے دفتر پہنچ ہی گئے۔ ایڈیٹر صاحب سے اپنا تعارف کرایا۔ اور وہ حسب توقع دو ڈرے لیمونیڈ کی بوتل لے کر سگریٹ کی ڈبیہ کھول کر رکھ دی۔ دیا سلائی خود جلدی اور دیر تک ہماری ہجرت پر مسرت کا اظہار کرتے رہے۔ کہ صاحب بہت اچھا ہوا۔ جو آپ تشریف لے آئے تھوڑی دیر کے بعد موقع دیکھ کر ادران کو بے حد خلیق پا کر عرض کیا:۔

"بھائی جان آلو گیا ہوں۔ مگر واضح رہے کہ سب کچھ چھوڑ کر آیا ہوں۔ اور خاندانی وضع کے خلاف اب اس پر بھی آمادہ ہوں۔ کہ کہیں ملازمت اختیار کروں۔"

وہ نہایت اطمینان سے بولے "ملازمت؟ بہر حال اب تو آپ آئے ہیں کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ آپ کے ایسے قابل آدمیوں کے لئے ملازمت کی کہاں کمی ہو سکتی ہے۔ بہر حال آپ نے یہ فیصلہ تو کر ہی لیا ہوگا کہ آپ کس شعبہ میں ملازمت اختیار کرنا پسند کریں گے۔"

عرض کیا "بھائی اپنا شعبہ تو ظاہر ہے کہ زندگی بھر سوائے ادبی خدمت

www.taemeernews.com

کے اور کوئی کام ہی نہیں کیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب تک ادبی خدمت کو ذریعہ آمدنی بنانے کا خیال بھی نہ آیا تھا۔ مگر اب حالات نے مجبور کر دیا ہے۔"

وہ بولے۔ "یہ تو درست ہے۔ مگر ادبی سلسلہ میں ملازمت کا کیا سوال ہو سکتا ہے۔ آپ کے خیال میں کونسا محکمہ ہے ایسا جو آپ کے ایسے ادیبوں کے لئے جگہ نکال سکے گا۔ کم سے کم میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا ہے۔"

عرض کیا۔ "یہ آپ محکموں پر نہ ڈالئے۔ میرے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ مثلاً آپ کا ادارہ ہے۔ اسی میں کوئی خدمت میرے سپرد کر دی جائے۔"

ایڈیٹر صاحب نے دم بخود ہو جانے کے بعد فرمایا۔ "قبلہ بات اصل میں یہ ہے کہ ضرورت تو مجھ کو بھی ہے۔ اپنے یہاں چند لوگوں کی مگر معاف کیجئے گا۔ میں نے آج تک سوائے غزلوں کے اور کوئی چیز آپ کی نہیں دیکھی ہے۔"

عرض کیا۔ "اور کیا چیز آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ شجرہ موجود ہے۔ وہ میں دکھا سکتا ہوں۔ خود مجھ کو تو آپ ہی دیکھ رہے ہیں۔ اور کوئی چیز سے مطلب کیا ہے۔ جناب ذرا وضاحت فرمائیں تو کچھ عرض کروں۔"

وہ بولے۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ نثر غالباً آپ نے کبھی نہیں لکھی۔ نہ آپ کا کبھی کوئی افسانہ پڑھا ہے۔ نہ کوئی تنقیدی مضمون دیکھا ہے۔ نہ کوئی تحقیقی مقالہ۔"

عرض کیا۔ "جناب والا۔ یہ آپ نے درست فرمایا اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اب تک اس قسم کی کوئی چیز لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔"

ان کو بہانہ مل گیا۔ آنکھیں گھما کر بولے۔ "اب آپ خود غور فرمائیے کہ کسی ادبی رسالہ کے ادارۂ تحریر میں آپ کو کیونکر شامل کیا جا سکتا ہے۔ آپ کی شاعرانہ صلاحیت مسلم ہے۔ مگر اس کی ہم کو ضرورت نہیں۔"

www.taemeernews.com

ایسے کورذوق سے کچھ اور کہنا ہی بیکار تھا ۔ ادھر اُدھر کی گفتگو کر کے چلے آئے اور طے کر لیا ۔ کہ اب ادھر کا رُخ بھی نہ کریں گے ۔ مگر ادھر کا نہ سہی کسی اور طرف کا رُخ تو کرنا ہی تھا ۔ ورنہ یہاں تو فاقوں کی نوبت بھی دور نہ تھی کافی دماغ سوزی کے بعد ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ اگر کوئی پبلشرز دیوان چھاپنے پر تیار ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے ۔ کچھ نہ کچھ حق تصنیف بھی مل جائے گا ۔ دوسرے اس پردیس میں اپنے تعارف کا ایک ذریعہ اس دیوان کی صورت میں نکل آئے گا ۔ بالکل الہامی طور پر دیوان کا نام ذہن پر نازل ہوا ۔ لیلائے سخن ۔ نفیس کی مناسبت سے اس سے بہتر نام اور کیا ہو سکتا تھا ۔ دوسرے ہی دن یہاں کے ایک آدھ پبلشر سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے ۔ شہر کے سب سے بڑے پبلشر کا نام اور پتہ پہلے ہی پوچھ رکھا تھا ۔ ان کی دکان پر پہنچ کر ان سے شرف نیاز حاصل کیا ۔ اور آخر اپنا تعارف خود کرایا ۔

" نام سے تو آپ واقف ہی ہوں گے ۔ اس خاکسار کو نفیس سوندری کہتے ہیں ۔ "

وہ حضرت بھی عجیب چیز نکلے ۔ کہنے لگے " پھر ۔ "

غصہ تو بہت آیا اس " پھر " پر مگر کیا کرتے وقت آپڑا تھا ۔ لہذا اپنے آپ کو سنبھال کر کہا " میں نے آپ کے یہاں کی مطبوعہ اکثر کتابیں دیکھی ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ طباعت کا جو سلیقہ آپ کو حاصل ہے وہ کسی اور پبلشر کے حصہ میں نہیں آیا ہے ۔ اور میں نے طے کر لیا ہے کہ میں اپنا دیوان اگر کسی کو دے سکتا ہوں تو وہ صرف آپ ۔ کیا نام ہے اس کتاب کا جو ابھی آپ نے شائع کی ہے ۔ "

وہ ڈکارتے ہوئے بولے ۔ " کلید مرغی خانہ "

www.taemeernews.com

عرض کیا: جی ہاں، کلید مرغی خانہ۔ کیا کہنا ہے اس کتاب کا۔ کتابت ہے
تو سبحان اللہ۔ طباعت ہے تو ماشاء اللہ، پھر ترتیب اور سجاوٹ۔ دُلہن بنا کر
رکھ دیا ہے آپ نے کتاب کو۔ میں نے اپنے دیوان کا نام تجویز کیا ہے، لیلائے
سخن، جس کا تخلص قیس ہو اس کے دیوان کا کتنا مناسب نام ہے یہ۔"

انہوں نے براہِ راست سوال کیا: "تو آپ چھپوانا چاہتے ہیں اپنا دیوان"

عرض کیا: جی ہاں ارادہ تو کچھ ایسا ہی ہے۔ میں نے اپنے چار دواوین
میں سے انتخاب کر کے ایک دیوان مرتب کیا ہے۔ گویا اپنی کائنات شعری کا
جوہر نچوڑ لیا ہے۔ اور یہ طے ہوا ہے کہ چھپواؤں گا آپ ہی کے ذریعہ۔

انہوں نے کہا: "اچھا تو ہم چھاپ دیں گے۔ بہتر سے بہتر لکھائی چھپائی
ہوگی۔ کاغذ بھی ہوگا جو کلید مرغی خانہ کا ہے۔ ہم آپ کو ابھی حساب لگا کر
بتائے دیتے ہیں۔ کہ آپ کو کیا خرچ کرنا پڑے گا۔

ہم نے چونک کر کہا: "ہم کو کیا خرچ کرنا پڑے گا۔ غالباً آپ میرا
مطلب نہیں سمجھے۔"

وہ ہم سے زیادہ متحیر ہو کر بولے: "تو کیا مطلب ہے آپ کا"

صاف صاف عرض کیا: "مطلب یہ ہے کہ آپ لے لیجئے دیوان اور
چھاپئے حق تصنیف طے ہو جائے۔ جو مناسب سمجھئے دے دیجئے۔"

انہوں نے ایک قہقہہ لگایا۔ گویا یہ کوئی بہت دلچسپ لطیفہ سُنا تھا۔
اور عجیب تمسخر سے بولے۔

آپ گویا یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا دیوان آپ سے خرید کر خود بکنے کے
لئے چھاپیں۔ آج کل بھلا کون کسی کا دیوان چھاپتا ہے۔ کس کے پیسے فالتو ہیں۔ کہ
وہ دیمک کی ضیافت کے لئے دیوان چھاپ کر اپنے یہاں ڈھیر کر لے۔ پیسہ

www.taemeernews.com

بھی ضائع کرے وقت بھی برباد کرے۔ محنت بھی خواہ مخواہ کی اور جگہ بھی گھیری جائے۔"

ایک آدھ شاعر کے کلام کے مجموعوں کا حوالہ دیا۔ جو حال ہی میں شائع ہوئے تھے۔ اور عرض کیا "آخر یہ مجموعے اور یہ دیوان بھی تو چھپتے ہیں۔"

زانو پر ہاتھ مار کر بولے "اوہو۔ آپ سمجھے نہیں۔ جن شاعروں کا آپ نے نام لیا ہے۔ ان کی تو اس وقت مانگ ہے۔ ان کے مجموعے تو اگر اس وقت ہم کو بھی مل جائیں تو ہم بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چھاپ دیں مگر یہاں ذکر ہے آپ کا ——"

اب تو قابو میں رہنا مشکل تھا۔ ذرا تلخی سے عرض کیا "کیا مطلب آپکا؟ اگر آپ میرے نام سے واقف نہیں ہیں اور میرے شاعرانہ مرتبہ کو نہیں جانتے تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔ یہ تو آپ ہی کی کوتاہی ہے۔ ورنہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں ایک خاص مقام رکھتا ہوں، اس دور کے شعراء میں۔"

وہ صاحب عجیب بیہودگی سے مسکرا کر بولے "اجی یہ تو سب ہی شاعر کہتے ہیں۔ خیر اس سے کیا مطلب ہم معافی چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا دیوان نہیں چھاپ سکتے۔"

ہم نے اٹھتے ہوئے کہا "کلام تو خیر میں خود آپ کو چھاپنے کے لئے اب نہیں دے سکتا۔ مگر کتابوں کی تجارت کرنے آپ بیٹھے ہیں تو ذرا اہلِ علم سے بات کرنے کا سلیقہ بھی پیدا کیجئے۔"

وہ حضرت بھی پہلو بدل کر بولے "اہلِ علم جب کوئی آتا ہے تو ہماری گفتگو بھی دوسری قسم کی ہوتی ہے۔"

اور ہم نے اس بدتمیزی کا جواب دینا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ دل ہی

www.taemeernews.com

دل میں کھولتے ہوئے اس دکان سے باہر آگئے، مگر ابھی چند ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ چودھری صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ یہ چودھری صاحب بڑے اثر و رسوخ کے لوگوں میں سے ہیں۔ اور میرے کلام کے دلدادہ ہیں، بلکہ نمائش کے مشاعرے میں صدر یہی تھے۔ اور ان ہی کی طرف سے میرے لئے تمغے کا اعلان ہوا تھا۔ ہمیشہ جھوم جھوم کر میری غزلیں سنا کرتے تھے۔ اور اچھل اچھل کر داد دیا کرتے تھے۔ آج بھی دور ہی سے دیکھ کر پہچان گئے۔ اور ایک نعرہ بلند کیا۔

"آخاہ قیس صاحب ہیں۔ ارے بھئی آپ کہاں۔ بھئی خوب ملاقات ہوئی۔ کب آئے۔"

عرض کیا۔ "آئے ہوئے تو دو مہینہ سے زیادہ ہو چکے ہیں۔"

حیرت سے بولے۔ "دو مہینہ سے زیادہ ہو گئے، اور کہیں نظر بھی نہ آئے۔ میں تو اکثر مشاعروں میں گیا مگر آپ کو نہ دیکھا"

عرض کیا۔ "جناب والا، اب شعر کی فکر سے زیادہ پیٹ کی فکر ہے۔ وہ فارغ البالی کے زمانے گئے۔ اب تو سب سے مقدم ہے روزی کا ملنا۔ مگر اب آپ مل گئے ہیں تو سب ہی کچھ ہو جائے گا۔"

اور یہ کہہ کر اپنی تمام داستان سنا دی کہ کس بے سر و سامانی کی حالت میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ اور اگر جلد ہی ملازمت کا کوئی سلسلہ نہ ہوا تو کیا وقت آنے والا ہے ہم پر۔ بڑی ہمدردی اور غور سے تمام حالات سنتے رہے۔ اور سب کچھ سننے کے بعد فرمایا۔ "ارے بھئی گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ملازمت آپ کو نہیں، تو اور کس کو ملے گی۔ میں ذمہ لیتا ہوں اس بات کا۔"

منہ مانگی مراد مل گئی۔ جی چاہا کہ اس شریف انسان کے قدموں پر گر کر جان

www.taemeernews.com

دیدیں ۔ مگر وفورِ جذبات میں قدموں کے بجائے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دباتے ہوئے عرض کیا " میرا دل خود گواہی دے رہا ہے کہ آپ مل گئے ہیں تو اب میری مشکلات کا خاتمہ ہی سمجھنا چاہیئے ۔"

کہنے لگے " خیر یہ تو آپ کی بندہ نوازی ہے ۔ اچھا قبلہ یہ تو فرمائیے کہ انگریزی تعلیم کہاں تک ہے ۔"

ایسے ذہین آدمی سے اس مہمل سوال کی امید نہ ہو سکتی تھی ۔ ظاہر ہے کہ ان حضرت نے ہمارا انگریزی نہیں بلکہ اُردو کا کلام سُنا تھا ۔ کبھی انگریزی میں بات کرتے بھی نہ سُنا ہوگا ۔ البتہ کبھی کبھی سوٹ پہنے ضرور دیکھا ہوگا ۔ اور ممکن ہے کہ یہ غلط فہمی اسی وجہ سے پیدا ہو گئی ہو ۔ لہٰذا ہم نے اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لیے عرض کیا :-

" بھائی جان انگریزی سے کیا واسطہ ، آپ تو جانتے ہوں گے زندگی گزری ہے اُردو کی خدمت میں ۔"

وہ بولے " تاہم کم سے کم آپ میٹرک تو ہوں گے ۔"

عرض کیا " اجی نہ میٹرک نہ الگزرک ۔ بچپن ہی سے اس شاعری کا ایسا شوق ہوا کہ لکھنا پڑھنا چھوڑ چھاڑ بس اسی کے ہو رہے ۔"

وہ کچھ بجھ سے گئے " اوہ تو گویا آپ انگریزی جانتے ہی نہیں ۔ یہ تو بڑی مشکل پیدا کر دی آپ نے ۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کو کوئی باقاعدہ ملازمت تو مل ہی نہیں سکتی مگر خیر ۔ آپ یہ کیجئے کہ فی الحال تو میری ایک چھوٹی سی دکان ہے اس کے حساب کتاب کی نگرانی فرمائیے بیٹھ کر ۔ اس عرصہ میں اگر کوئی بہتر جگہ مل گئی تو چلے جائیے گا ۔ ورنہ میں ہی کچھ نہ کچھ پیش کرتا رہوں گا ۔"

خدا کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے کوئی سبیل بہر صورت

www.taemeernews.com

پیدا ہی کردی۔ سچ کہا ہے کسی نے وہ بھوکا اُٹھاتا ہے مگر بھوکا سُلاتا نہیں ہے۔ لیجئے اب ہم ایک بار رونق بازار میں موزے، بنیائن، رومال، تیل، کنگھا، آئینہ بیچنے ایک دکان پر بیٹھ گئے۔ صبح آٹھ بجے جاکر دکان کھولنا جھاڑو دینا۔ دن بھر گاہکوں کا خیر مقدم کرنا رومال بیچنا۔ اور رات کے نو بجے دکان بند کردینا۔ ایک کام تو یہ تھا اور دوسرا کام یہ کہ دن بھر کی بکری رجسٹر پر لکھ کر شام کو میزان نکال لیا کرتے تھے مگر یہ دوسرا کام اس قدر نامعقول ثابت ہوا کہ کبھی کبھی تو زندگی سے عاجز آجاتے تھے۔ کبھی تو کیش بکس میں ہیں دو سو باسٹھ روپے تیرہ آنے نو پائی۔ اور کھاتہ میں میزان کل ہے دو سو تیس روپے تیرہ آنے نو پائی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کون صاحب بتیس روپے چپکے سے کیش بکس میں ڈال گئے ہیں۔ دکان کے دوسرے ملازم سے پوچھ رہے ہیں کہ بھائی تم ہی کچھ یاد کرو۔ آخر وہ اسی رائے پر اڑ جاتا کہ۔ "جب آپ اپنے دوست کو غزل سُنا رہے تھے اس وقت جتنے گاہک آئے سب سے دام لے کر کیش بکس میں تو آپ نے ڈال لئے مگر کھاتہ پر چڑھائے نہیں" لیجئے اب کھاتے کے فرضی اندراج ہو رہے ہیں۔ مگر جس دن یہ ہوتا کہ کیش بکس میں سے نکلتے ہیں تین سو چودہ روپے اور کھاتہ دکھا رہا ہے تین سو چوّن روپے تو اس روز تو ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ کر رہ جاتے۔ کہ اب یہ چالیس روپے کی کمی کہاں سے پوری ہو۔ دکان کے دوسرے ملازم نے یاد کرتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ گیا قیس صاحب۔ چالیس روپے کا وہ تھرموس بیچا تھا۔ اور تھرموس لے کر وہ صاحب بیٹھ گئے تھے آپ کی غزل سُننے دوسروں کے ساتھ بڑی دیر تک واہ وا کرتے رہے اور پھر ایک دم غائب ہو گئے۔ دیکھئے

www.taemeernews.com

تھرموس کے دام لکھے ہیں ،

کھاتے میں تھرموس کے دام چالیس روپے موجود۔ اوراب ہم کو بھی یاد آگیا کہ ہم نے دام تو لکھ لئے تھے مگر وہ بیٹھ گئے تھے کلام سننے اور بڑے سخن فہم معلوم ہو رہے تھے لہٰذا یہی خیال تھا کہ جاتے وقت دیدیں گے دام مگر وہ چپکے سے نکل گئے بمشکل تمام دوسرے ملازم سے مل ملا کر اور اس کو بھی اسی کا ایک موقع دینے کا وعدہ کر کے کھاتہ کے اس اندراج کو مٹایا گیا اور جان بچی۔ کان پکڑ کر توبہ کی کہ آئندہ دکان پر شعر و شاعری کا شغل ہرگز نہ ہوگا۔ اور سوائے دکانداری کے دکان پر بیٹھ کر اور کچھ نہ کریں گے مگر جس نے بھی کہا ہے سچ کہا ہے۔ کہ

وہی ہوتا جو منظورِ خدا ہوتا ہے

دیکھتے کیا ہیں کہ کیف۔ سیف۔ حیف۔ نور۔ طور۔ نشور۔ سب کے سب ٹولی بنائے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ اور ایک دم سے آکر حملہ آور ہو گئے۔ اب کیسے نہ بٹھاتے ان کو اور جب بیٹھ کر ان سے یہ معلوم ہوا کہ مشاعرے سے اٹھ کر وہ لوگ آرہے ہیں۔ تو کیسے نہ ان سے فرمائش ہو مشاعرے کی غزلیں سنانے کی۔ اور جب وہ غزلیں سنا دیں تو کہاں کا ہے یہ اخلاق کہ خود اپنی اسی طرح کی غزل نہ سنائی جائے ان کو۔ بس اتنی سی بات سے مشاعرے کی سی کیفیت پیدا ہو کر رہ جاتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ راہ گیر بھی اکثر سخن فہم ہوتے ہیں۔ اگر وہ کلام سننے کو ٹھہر جائیں تو کون ان سے کہہ سکتا ہے۔ کہ آپ چلتے پھرتے نظر آئیں۔ رہ گئے گاہک ان کی بلا سے مشاعرہ ہو یا کچھ وہ تو سن لائٹ سوپ لینے اس وقت بھی آئیں گے۔ ان کو تو اپنے نوزائیدہ بچے کے لئے چوسنی اور بے بی پاؤڈر اس وقت بھی درکار ہوگا۔

www.taemeernews.com

چنانچہ یہ بالکل اتفاق کی بات ہے کہ جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ شعرائے کرام کے علاوہ سامعین بھی کچھ زیادہ ہی جمع ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ برق اپنی غزل پڑھ رہے تھے اور ان کی آواز کو سن کر راہ گیر کیا معنی پرندے تک ہوا میں معلق ہو کے رہ جاتے ہیں۔ دریا اپنی روانی چھوڑ دیتا ہے اور کچھ عجیب بات ہے کہ اسی وقت گاہک بھی کچھ ضرورت سے زیادہ آ گئے تھے۔ مختصر یہ کہ ملا جلا مجمع ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ اندر سڑک تھوڑی بہت رک گئی تھی۔ یعنی ادھر اور اُدھر دونوں طرف موٹر کھڑے ہارن دے رہے تھے کہ ناگاہ چودھری صاحب بھی اسی وقت آموجود ہوئے۔

کچھ پریشان۔ کچھ بدحواس۔ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ غالباً وہ سمجھے ہوں گے اس اجتماع کو دیکھ کر کہ کوئی بلوہ ہو گیا ہے۔ یا دکان میں آگ لگ گئی ہے مگر یہاں پر کچھ آل پاکستان مشاعرے کا رنگ دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ سر پکڑ کر ایک طرف خاموش بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے غزل پڑھی تو بھی ہمارے کلام پر اچھل اچھل پڑنے والے چودھری صاحب سر پکڑے ہی بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ آنے والے رخصت ہو گئے۔ مجمع چھٹ گیا۔ سڑک کھل گئی۔ اور دکان پر کوئی نہ رہا تو چودھری صاحب نے نہایت خاموشی سے اٹھ کر کہا۔

"قیس صاحب آج کون تاریخ ہے۔"

عرض کیا۔ "پندرہ"

انہوں نے کہا۔ "میں بصد ادب آدھے مہینہ کی یہ تنخواہ پیش کر رہا ہوں اور آدھے مہینہ کی مزید تنخواہ اپنی طرف سے ہدیہ کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ مجھ کو معاف فرمائیں گے۔"

www.taemeernews.com

عرض کیا ۔ بات کیا ہے آخر ۔۔۔؟
کہنے لگے ۔ میں شرمندہ ہوں گا اس سلسلہ میں بات کرتے ہوئے ۔ صرف اسی قدر عرض ہے کہ میری دکانداری تو ختم ہو کر ہی رہ جائے گی ۔ اگر آپ کچھ اور دن یہاں رہے، اس عرصہ میں جو نقصانات ہو چکے ہیں ان سے میں بے خبر نہیں ہوں ۔
لاکھ ان سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہی مگر وہ بس ہاتھ ہی جوڑتے رہے ۔ اور اپنی دکان سے رخصت کر دیا ۔ مگر اب اپنے شاعر احباب کے مشورے سے ہم نے ایک سائن بورڈ اپنے مکان پر ہی ٹانگ لیا ہے

" ادارہ اصلاح سخن "

یہاں کلام میں اصلاح بھی دی جاتی ہے
ایک آزمائش
اور دوسرے کے لئے بہتر سے بہتر کلام بھی
سخن حسب فرمائش تیار کیا جاتا ہے شرط

صبح سے شام اس سائن بورڈ کے زیر سایہ بیٹھے رہتے ہیں ۔ آج پندرہ روز ہو چکے ہیں مگر اب تک صرف دو گاہک آئے ہیں ۔ ایک صاحب کی بیوی روٹھ کر میکے چلی گئی ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایسے پھڑکتے ہوئے شعر ان کو لکھے جائیں کہ بیوی تڑپ کر واپس آجائے ۔ شعر ان کو کہہ کر دے دیئے ہیں ۔ آٹھ آنے وہ دے گئے ہیں ۔ اور آٹھ آنے بیوی کے آجانے پر دیں گے ۔
دوسرے صاحب اس لئے تشریف لائے تھے کہ وہ واقع ہوئے ہیں قوال ۔ ان کے ایک حریف قوال نے کسی پچھلی محفل میں ایک چیز گا کر محفل کو لوٹ لیا ہے ۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ اسی قسم کی اس سے زبردست چیز کہہ دی جائے ۔ وعدہ ہوا ایک روپیہ کا ۔ اور اگر وہ چل گئی تو جیسی آمدنی محفل میں ہوگی ویسی ہی وہ ہماری

www.taemeernews.com

خدمت بھی کریں گے۔ یہ چیز ہم تیار کر رہے ہیں۔"

ان دو گاہکوں کے علاوہ اب تک اور کوئی نہیں آیا۔ ہاں میں بھولا۔ ایک صاحبزادے بھی شاگردی کرنے آئے تھے۔ اور پوچھ رہے تھے کہ وہ جو ہم کو استاد کہیں گے۔ تو ہم ان کو اس کسر نفسی کا کیا معاوضہ دیں گے .....

یہ ہے اس دور میں آپ کی شاعری کا حال۔ اور اس حال میں ہیں آپ کے وہ شاعر جو آپ کے ادب کو مالا مال کر رہے ہیں ؎

www.taemeernews.com

ان کی سسرال

مرزا صاحب نے لاکھ بار کہا کہ ہمارا جانا ٹھیک نہیں۔ اوّل تو تمہارے حالات کچھ نہایت نامعقول واقع ہوئے ہیں۔ دوسرے ہماری زبان خود ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ بات کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ جو نہ کہنا تھا وہ کہہ گئے مگر مرزا نے ایک نہ سُنی۔ دیرینہ مراسم کا واسطہ دیا۔ احباب نواز کی کے خدا جانے کتنے تاریخی حوالے دے ڈالے۔ کہ کس طرح دوستوں نے دوستوں کے پسینہ پر خون بہایا ہے۔ اور آخر میں آنکھوں میں آنسو بھر کر کچھ اس طرح التجا کی کہ ہم اُن کے ساتھ ان کی سسرال جانے پر راضی ہو گئے مگر صرف راضی ہونے سے تو کام نہیں چلتا۔ ضرورت اس کی تھی کہ باقاعدہ ریہرسل کر لیں کہ وہاں جاکر ہم کو کیا کہنا پڑے گا۔ اور کون کونسی باتیں ایسی ہیں جن کا ہرگز اظہار نہ کیا جائے۔ مرزا نے روانگی سے ایک روز قبل باقاعدہ ریہرسل کرایا۔ کہ بس تم میری تعریفوں کے پل باندھ دینا۔ کہ ایسا لڑکا قسمت والوں ہی کو ملتا ہے۔ پڑھا لکھا سلیم الطبع۔ کماؤ۔ صاحب جائیداد، متعدد تو مکان ہیں۔ جو کرایہ پر اٹھے ہوئے ہیں۔ دکانوں کا کرایہ الگ آتا ہے۔ خاندان ایسا کہ جس کی شرافت کی قسم کھائی جاتی ہے۔

www.taemeernews.com

عرض کیا: "اگر ان کو معلوم ہو گیا کہ آپ کے بزرگوں میں کچھ سزا یافتہ بھی گزرے ہیں۔ تو ؟"

مرزا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا: "اوّل تو ان کو پتہ ہی کیسے چل سکتا ہے۔ اور اگر چل بھی جائے تو تم نہایت آسانی سے کہہ سکتے ہو کہ وہ حضرت ذرا کانگرسی واقع ہوئے تھے۔ سیاسی مذاق تھا۔ لہٰذا نظر بند کر دیئے گئے تھے۔"

پوچھا۔ "اور پڑھا لکھا جو میں نے کہہ دیا۔ اور وہ بیٹھ گئے امتحان لینے میں کس طرح بھانپ سکوں گا۔"

مرزا نے ڈانٹ دیا: "بکتے ہیں آپ۔ ارے میاں کون لیتا ہے امتحان۔ بس تم ذرا دھونس گانٹھ دینا۔ پھر کسی کی ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ سب سے زیادہ ان کو خاندانی شرافت کا خیال ہے۔"

ہم نے کہا: "اور اسی سلسلہ میں تم غضب سے زیادہ گڑبڑ ہو۔ ارے بھئی تعلیم کا یہ حال ہے کہ گریجویٹ نہ سہی پھر بھی انٹرنس مڈل تو پاس ہی ہو۔ جائز اور نہ سہی مگر اکثر قیمتی چیزیں تمہارے پاس ہیں۔ ایک تو چاندی کا خلال ہی میں دیکھ چکا ہوں۔ ایک فونٹین پین بھی یاد پڑتا ہے کہ مجھ کو قمیض کے بٹن بھی خاصے رکھ رکھائے کے ہیں۔ مگر خاندان کا یہ حال ہے کہ کوئی کہتا ہے کہ میراثی ہو۔ اور خانصاحب تو قسمیں کھا رہے تھے کہ یہ لوگ بندر والے ہیں۔"

مرزا نے الجھ کر کہا: "یہ سب غلط ہے۔ بیہودہ ہیں یہ لوگ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ والد صاحب کا انتقال کچھ ایسا رواروی میں ہوا۔ کہ میں خود ان سے پوچھ نہ سکا کہ ہم لوگ دراصل ہیں کیا۔ مگر اب بھی تو تمہارا کمال ہے کہ وہاں سب کو ایسا شیشہ میں اتارو کہ بات بھی بن جائے اور ناک بھی اونچی رہے۔"

www.taemeernews.com

ہم نے کہا۔ "میاں تم کو ناک اونچی کرنے کی فکر ہے۔ اندھیں یہ سوچ رہا ہوں کہ جانے سے پہلے کم سے کم اپنی ناک کا تو بیمہ کرا لی لوں۔ ارے جہاں نہ جانے کیا افتاد پڑے۔"

کہنے لگے۔ "خیر یہ تو مذاق ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ پہلے سے ہم دونوں یہ طے کر لیں کہ وہاں کیا بیان دینا ہے۔ تاکہ ہم دونوں کے بیان میں کوئی فرق نہ ہو مثلاً قوم کیا ہونا چاہیئے میری۔"

عرض کیا۔ "نہ بہت اونچی نہ بہت نیچی۔ کچھ واجبی سی ہو۔ مرزا تو کہلاتے ہو بس مغل ٹھیک ہے۔"

کہنے لگے۔ "صرف اتنا کافی نہیں۔ میں بتاؤں۔ تم یہ کہنا کہ شاہانِ مغلیہ سے ان کا سلسلہ ملتا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے بیحد پٹواؤ گے۔"

چاپلوسی کرتے ہوئے بولے۔ "کون مار سکتا ہے میرے بھائی کو۔"

ہم نے جلدی سے کہا۔ "بھائی تو خیر نہ کہو۔ ورنہ میرا خاندان بھی گڑبڑ ہو کر رہ جائے گا۔ دوستی کا رشتہ کافی ہے! دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت۔"

کہنے لگے۔ "اگر مہر اور پاندان خرچ وغیرہ لکھوانے پر زور دیں۔ تو انکار ہرگز نہ کرنا۔"

ہم نے کہا۔ "انکار تو نہیں کروں گا۔ مگر گواہی کے دستخط کی امید بھی نہ رکھنا۔ اب تو ذرا چکر میں آئے۔ پہلے کچھ غور فرماتے رہے۔ پھر کہنے لگے: "وہاں دیکھا جائے گا۔ ابھی تو کل جانا ہے۔ تم بھی غور کرو۔ میں بھی غور کرتا ہوں۔"

وہ حضرت تو یہ کہہ کر اپنے انتظامات میں لگ گئے۔ اور ہم نے سنجیدگی

www.taemeernews.com

کے ساتھ غور کرنا شروع کیا۔ کہ اس موقع پر بھاگ جانا مناسب رہے گا۔ یا صفائی سے کام لے کر جانے سے انکار کر دینا ہی اچھا ہے۔ اس لئے کہ یہ طے تھا کہ یہ حضرت وہاں طرح طرح کے جال پھیلائیں گے۔ اور ممکن ہے کہ ان لوگوں کو پھانس بھی لیں مگر خود بھی پھنسے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور ان حضرت کے ساتھ ہم خواہ مخواہ پھنس کر رہ جائیں گے۔ مگر سوال تو یہ تھا کہ مروت بھی آخر کوئی چیز ہے۔ کس خوشامد سے وہ بار بار کہہ رہا ہے۔ جہاں تک ہو سکے گا اپنے کو بچانے کی کوشش کریں گے۔ پھر جو اللہ کو منظور ہے دیکھا جائے گا۔"

دوسرے دن کچھ نہ پوچھئے مرزا صاحب کی پار متعدد صابنوں سے گھنٹوں غسل فرمانے کے بعد جب بال بال موتی پرو لئے اپنی جامہ زیبی کے کمالات دکھاتے آپ باہر تشریف لائے تو پہلی نظر میں ہم کو بھی شریف ہی محسوس ہوئے۔ مگر رفتہ رفتہ مجمرے کی خامیاں اجاگر ہونے لگیں۔ مثلاً آپ نے سرمہ بھی لگایا تھا۔ ایک گال میں متعدد گلیریاں بھی ٹھونسی تھیں۔ اور نہایت واہیات قسم کا تیز خوشبو والا دماغ پاش پاش کر دینے والا عطر بھی استعمال کیا تھا۔ اور تو اور جب کورے لٹھے کا پاجامہ پہن کر جب آپ کھڑ بڑ کرتے ہوئے چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مردہ اپنے کفن میں چہل قدمی کر رہا ہے ہم نے مرزا صاحب کی یہ سج دھج دیکھی اور ابھی کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا۔ کہ وہ خود بول اٹھے۔

"کیوں بھئی ٹھیک ہے؟"

ہم نے کہا۔ "بس اب تو یہی دعا ہے کہ خدا کرے لڑکی والے نہایت ہی تھرڈ کلاس بدھو ہوں۔"

حیرت سے بولے "واہ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ وہ لوگ بڑے خاندانی

www.taemeernews.com

لوگ ہیں۔ لڑکی کا ایک چچا تو وکیل ہے۔"

ہم نے کہا "بس اب تو اُستاد تم پر مقدمہ ضرور چلے گا۔"

کہنے لگے۔" یعنی خواہ مخواہ بھئی۔ آخر کیا بات ہے؟"

ہم نے کہا " وہ صورت دیکھتے ہی پہچان لیں گے کہ نہ یہ لڑکا پڑھا لکھا ہے نہ شریف خاندان ہے اور نہ صحبت یافتہ ہے۔ یہ آپ سے سُرمہ لگانے کو کس نے کہا تھا۔ اور یہ لوفروں کی طرح گلوریاں ٹھونسی ہوئی ہیں گال میں۔ یہ کس صحبت کا اثر ہے۔ پھر کورے لٹھے کا پاجامہ"

کہنے لگے۔" بھئی میں نے تو ٹخنے کی وجہ سے پہن لیا تھا۔ ورنہ دُھلا ہوا پاجامہ بھی موجود ہے۔ ابھی لو۔"

خدا خدا کرکے ان حضرت کو کسی نہ کسی حد تک آدمی بنا کر لے چلے اپنے ساتھ۔ راستہ بھر دل دھڑکتا رہا کہ خدا ہی آج عزت آبرو کے ساتھ گھر لائے۔ کہ آپ نے دور ہی سے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" یہ ہے مکان غنا در اب جو ہم نے اس مکان کی طرف دیکھا تو دل میں ایک مرتبہ پھر خیال آیا کہ مولانا ابھی سویرا ہے۔ تانگے سے پھاندو۔ اور بھاگو سر پر پیر رکھ کر۔ مگر فرار ہونے کا ارادہ ابھی خام ہی تھا کہ تانگہ ٹھہر گیا۔ اور ایک نہایت خوفناک بزرگ نے اتنے زور سے "السلام علیکم" حالانکہ ہم نے بلبلا کر کہا۔" وعلیکم السلام"

چھ فٹ کے یہ بزرگ جن کے تمام سینہ پر داڑھی چھائی ہوئی تھی۔ آگے بڑھے اور معانقہ کرنے کے بعد اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے کر پہنچے، جہاں پہلے سے چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب بٹیر سے کچھ بڑے اور تیتر سے چھوٹے چشمہ لگائے کھیسیں نکالے بیٹھے تھے۔ دوسرے صاحب

www.taemeernews.com

یا تو بینڈ ماسٹر تھے، ورنہ جادو کا تماشہ دکھاتے ہوں گے۔ مونچھوں پر وہی پروفیسر معشوق علی مسمریزم والے کا سا تاؤ اور گلے میں اسی قسم کی بو۔ ایک صاحب جو سب سے زیادہ معتبر نظر آتے تھے داڑھی کو دو حصوں میں تقسیم کئے داڑھی کے بیچوں بیچ کچھ عجیب ریڈ کلف بنے بیٹھے تھے۔ جو بزرگ ہم لوگوں کو اندر لائے تھے انہوں نے تعارف کی رسم ادا کی۔

آپ ہیں حکیم مرزا صاحب عالم صاحب۔ آپ ہیں عمر دراز بیگ صاحب وکیل۔ اور آپ ہیں صوبیدار رونق علی صاحب۔ اور بھی صوبیدار صاحب یہ ہیں وہ صاحبزادے اور یہ ان کے دوست۔"

ہم لوگوں کو بڑے تپاک سے بٹھا دیا گیا اور مرزا خلاف معمول نہایت مہذب بن کر بیٹھ گئے۔ کچھ شرمائے ہوئے۔ کچھ لجائے ہوئے سب سے پہلے تو خاصدان کا دور چلا۔ پھر سگریٹ سے دھمکایا گیا۔ اور آخر ہمارے رہنما۔ چھ فٹ کے مسلّم بزرگ نے کہا "آپ لوگ ذرا تشریف رکھیں۔ میں ان صاحبزادے کو لئے جا رہا ہوں اندر۔ بات یہ ہے کہ مستورات دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ عمل داری مستورات ہی کی ہے۔"

پیچھے ہم تو باہر ہی رہ گئے۔ اور مرزا صاحب روانہ کر دیئے گئے اندر۔ اُن کے جاتے ہی سب سے پہلے ان ہی آدھے تیتر آدھے بٹیر بزرگ نے نہایت مہین سی آواز میں پوچھا۔

"کیا مشغلہ ہے ان صاحبزادے کا۔"

ہم نے نہ جانے کیا کہنا چاہا مگر کہا صرف یہ کہ "ارے صاحب مشغلہ ہی کیا ہوتا۔ جائیداد خدا کے فضل سے کافی ہے۔ مکانات، دکانیں۔ انہی کے انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ بینڈ ماسٹر نما بزرگ بولے "مگر میں نے

www.taemeernews.com

سُنا تھا کہ سرکاری ملازم بھی ہیں۔"

اب بتائیے ہم کیا کہتے۔ مگر چپ رہنا اور بھی بُرا تھا۔ لہٰذا کچھ بولنے کی کوشش کی۔ "جی ہاں۔ وہ ملازمت تو بس یوں سمجھئے کہ یونہی بس دل بہلانے کے لئے کر لی ہے۔ ورنہ ان کے یہاں خود کیا کمی ہے کہ ملازمت کرتے پھریں" داڑھی کے تقسیم کنندہ محترم بولے۔ "کہاں ملازم ہیں؟"

کتنا معمولی سا سوال تھا۔ مگر کیسا ٹیڑھا خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کہیں ملازم ہی نہ تھے۔ مگر واہ رے ہماری حاضر جوابی۔ "جی یہیں لاہور میں۔"

ہینڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ کس محکمہ میں؟"

اب تو گویا صاف مارے گئے۔ محکمہ کی تفتیش نہایت خطرناک تھی۔ لہٰذا عرض کیا۔ "جی وہ دیکھئے بھلا سا نام ہے اس کا۔ دماغ میں ہے زبان پر نہیں آتا۔"

ان بزرگ نے مشکل آسان کر دی۔ "انکم ٹیکس سنا تھا میں نے۔"

ہم نے بڑی متانت سے کہا۔ "جی ہاں اور کیا ایک قسم کا انکم ٹیکس سمجھ لیجئے۔"

مگر وہ ٹھہرے وکیل، جرح شروع کر دی۔ ایک قسم کا انکم ٹیکس سمجھ لوں؟ یہ کیا بات ہوئی۔ ارے بھئی انکم ٹیکس تو بس انکم ٹیکس ہی ہوتا ہے۔"

ہم نے اپنے اوپر جبر کرتے ہوئے کہا۔ "جی نہیں وہ کچھ انکم ٹیکس بھی ہے اور کچھ انکم ٹیکس نہیں بھی ہے۔ ابھی دیکھئے وہ آتے ہیں تو میں پوچھ کر بتاتا ہوں۔"

آدھے تیتر آدھے بٹیر صاحب بولے۔ "سیلز ٹیکس کا محکمہ تو نہیں؟"

ہم نے آنکھیں گھما چرا کر کہا۔ "غالباً میرا خیال ہے کہ آپ قریب قریب

www.taemeernews.com

ٹھیک سمجھ رہے ہیں ۔"

داڑھی کے تقسیم کنندہ بزرگ نے مبحث بدلا۔" صاجزادے کی تعلیمی حالت کیا ہے ۔؟"

ہم نے کہا ۔" کیا کہنا ہے صاحب! ماشاءاللہ پڑھے لکھے آدمی ہیں اپنے زمانے کے نہایت ہونہار طالب علم سمجھے جاتے تھے ۔"

بینڈ ماسٹر صاحب بولے ۔" علی گڑھ میں بھی پڑھ چکے ہیں غالباً؟"

ہم نے بھی ترکی بہ ترکی کہا ۔" عرض تو کیا کہ علیگڑھ کے نہایت ہونہار طالب علم سمجھے جاتے تھے ۔"

شکر ہے کہ وہ بزرگ محترم جو مرزا کو لے کر گئے تھے مرزا کو چھوڑ کر آگئے اور ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے ۔" صاحب اس زمانے میں ایسے شرمیلے لڑکے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں ۔ کیا مجال ہے جو میرے کسی سوال کا جواب ٹھیک دیا ہو ۔" بینڈ نما بزرگ نے فرمایا ۔" بھائی صاحب یہ صاجزادے کس محکمے میں ملازم ہیں ؟"

وہ بزرگ بولے ۔" اکسائز کہتے ہیں ۔"

اور ہم نے نعرہ بلند کیا ۔" جی ہاں اکسائز اکسائز ۔ ٹھیک ہے اکسائز"

بینڈ ماسٹر صاحب نے ہنس کر کہا ۔" کہاں اکسائز، کہاں انکم ٹیکس ۔ کہاں سیلز ٹیکس ۔"

چھ فٹ کے بزرگ نے ہم سے کہا ۔" تو گویا خاندانی سلسلہ شاہانِ اودھ سے ملتا ہے ۔"

ہم کو بتایا تھا ۔ شاہانِ مغلیہ سے سلسلہ ملانے کو اور خود ملا بیٹھے شاہانِ اودھ سے ۔ اب بتائیے ہم کس سے ملاتے ۔ ہم نے عرض کیا ۔" جی ہاں ۔

www.taemeernews.com

دادھیال کی طرف سے سلسلہ ملتا ہے۔ شاہانِ اودھ سے اور ننھیال کی طرف سے شاہان مغلیہ سے۔"

آدھے تیتر آدھے بٹیر صاحب نے کہا "شجرہ تو مل سکے گا۔"

ہم نے جلدی سے کہا "کیوں نہیں یقیناً شجرہ ہوگا ان کے پاس۔"

چھ فٹ کے بزرگ نے کہا "بی۔ اے کس سنہ میں کیا ہے؟ یہ تو برخوردار نے بتایا کہ گریجویٹ ہیں۔ مگر سنہ میں پوچھنا بھول گیا تھا۔"

ہم نے کہا "سنہ تو مجھ کو بھی یاد نہیں۔"

انہی بزرگ نے کہا "گورنمنٹ کالج سے ہی تو کیا ہے بی۔ اے۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب بولے "گورنمنٹ کالج یا علیگڑھ؟"

"جی ہاں دونوں۔ بات یہ ہے کہ علیگڑھ میں پڑھے۔ اور امتحان گورنمنٹ کالج میں دیا۔"

چھ فٹ کے بزرگ نے کہا "لڑکا مجھ کو بیحد پسند ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ میری لڑکی خود انٹرمیڈیٹ تک پڑھی ہوئی ہے۔ مگر صاحبزادے کچھ اس قدر کم سخن اور شرمیلے واقع ہوئے ہیں۔ کہ پڑھی لکھی لڑکیاں تو ایسے نوجوانوں کو انگلیوں پر نچا دیا کرتی ہیں۔ تو ان کے والد صاحب امروز فردا میں آنے والے ہیں۔"

لیجئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان حضرت نے والد صاحب کا بھی وعدہ کر لیا ہے۔ حالانکہ وہ بیچارے نہایت بے دردی میں بغیر اپنی قوم بتائے مر چکے تھے۔ اب معلوم نہیں والد کا انتظام کہاں سے کریں گے۔ بہرحال ہم نے کہا۔ "معلوم نہیں مجھ کو تو کچھ ذکر کیا نہیں۔"

وہ بزرگ بولے "جی نہیں۔ ابھی کہہ رہے تھے۔ کہ والد صاحب آنے

www.taemeernews.com

والے ہیں. جائیداد کے بٹوارے کے سلسلہ میں، وہی لڑکی کے نام ایک آدھ مکان لکھ دیں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ نوکر نے چائے لاکر لگادی۔ ورنہ خدا جانے اور کتنے جھوٹ بولنا پڑتے۔ چائے کے ساتھ ہی مرزا صاحب بھی اندر سے نہایت سرخرو واپس تشریف لائے۔ اور چائے نوشی میں شریک ہو گئے۔ عین اسی وقت ان ہیڈ ماسٹر نما بزرگ نے مرزا صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

" آپ نے سبجیکٹ کیا لئے تھے ؟"

مرزا صاحب نے ایک بڑا سا کیک کا ٹکڑا منہ میں رکھ لیا تاکہ ان کے بجائے ہم جواب دیں۔ ہم نے کہا:۔

" یہ تو آرٹس میں تھے "

اب ہم نے جلدی کرنا شروع کر دی اس لئے کہ سوالات کا رُخ خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ ہم نے کہا۔" مرزا صاحب اب ہم کو فوراً واپس بھی پہنچنا ہے۔ گھر پر میٹنگ ہے۔ اور سب منتظر ہوں گے۔"

آدھے تیتر آدھے بٹیر صاحب نے کہا۔" ایسی بھی کیا جلدی چلے جائیے گا۔ ہاں برخوردار تم نے کیس ڈویژن میں پاس کیا بی۔ اے ؟"

مرزا بول اُٹھے " فرسٹ "

چھ فٹ کے بزرگ نے کہا " ماشاءاللہ۔ اور کس سنہ میں ؟"

مرزا نے جلدی سے کہا " ۱۹۴۵ء میں۔"

داڑھی کے تقسیم کنندہ نے کہا " خوب تو گویا آپ ۱۹۴۵ء میں گورنمنٹ کالج میں تھے۔"

مرزا نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہا " جی ہاں بس امتحان دیا تھا۔"

www.taemeernews.com

ہم نے پھر کہا "صاحب معاف کیجئے ذرا۔ وہ میٹنگ ان سے زیادہ میرے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا کم سے کم مجھ کو تو اجازت ہی دیجئے۔"

مرزا نے کہا "نہیں میں بھی اجازت لیکر جا رہا ہوں۔"

اور بمشکل تمام وہاں سے نکل سکے۔

راستہ بھر تو ہم کچھ نہ بولے مگر آخر غصّہ کے مارے یہ تو پوچھنا ہی تھا کہ والد آپ کے کیونکر زندہ ہو گئے؟ عرض کیا۔

"بھئی اندر تو جو کچھ ہوا وہ ہوا مگر یہ آپ کے والد بزرگوار فرمائیں کہاں سے آجائیں گے؟"

مرزا نے کہا "بھئی خدا بڑا مسبب الاسباب ہے بات یہ ہوئی کہ میرے ہونے والے خسر نے کہا کہ والد صاحب کیا باہر ہیں؟ میرے منہ سے نکل گیا "جی ہاں" بس جی ہاں کو پھر نبھانا پڑا۔ اب میرا خیال یہ ہے کہ عزیز مرزا کو والد بننے پر تیار کر لوں گا۔ مگر آج کا معاملہ رہا بڑا ٹھاٹھ دار یار۔ بڑے مرعوب ہوئے ہیں یہ لوگ۔"

ہم نے کہا "دیکھو مرزا آج کے بعد سے مجھ سے امید نہ رکھنا۔ کہ میں پھر تمہارے اس قصّہ میں کسی حیثیت سے شرکت کروں گا۔ خدا کی قسم سخت چغد تھے یہ لوگ۔ ورنہ ہم دونوں میں سے کوئی صحیح سلامت واپس نہ آسکتا۔"

مرزا نے اطمینان دلایا کہ یہ سب امتحان ہوئے جھگڑے ہیں اس کے بعد تو ہماری عزّت ان کی عزّت بن جائے گی۔ اور پھر اگر جھوٹ کھل بھی گیا تو اس پر وہ خود پردہ ڈالیں گے"

وہ دن اور آج کا دن مرزا سے پھر ہم نے ملنا گوارہ نہیں کیا۔ سُنا ہے کہ عزیز مرزا ان کے والد بنے ہوئے ہیں۔ اور آج ہی کل میں شادی کی تاریخ ٹھہرنے والی ہے۔ کیا دنیا واقعی اتنی ہی اندھی ہے؟

www.taemeernews.com

اے روسیاہ تجھ سے تو.....

آج میرے ایک مستقل دوست، عارضی پرمٹ پر ہندوستان سے تشریف لا رہے تھے اور میں بغلیں جھانکتا پھرتا تھا اور کوئی چیز جھانکنے کے لئے تھی ہی نہیں کیا کرتا۔ نہ مکان ایسا کہ ان کو ٹھہرا کر فخر سے کھنکھار سکتا تھا۔ نہ ساز و سامان ہی ایسا کہ وہ حیران ہوتے اور میں بڑے استغنا سے سیٹی پر کوئی فلمی دھن پھونک سکتا۔ یہاں تو یہی فکر تھی کہ وہ بھی کیا کہیں گے کہ اتنے دن تک کیا محض بھاڑ جھونکتے رہے ہیں اگر اسی طرح رہنا تھا تو ہنگامہ سے بھی دو برس پہلے ہجرت کی آخر کیا ضرورت تھی۔ آج پہلی مرتبہ رہ رہ کر ان کوتاہیوں پر دل مسوس رہا تھا جو عام لوٹ کے وقت سرزد ہوئی تھیں۔ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مکان چھوڑ چھاڑ کر بھاگنے والے بھاگے اور ان پر قبضہ کرنے والوں نے قبضہ بھی کیا۔ لوگوں کو بنے بنائے گھر مل گئے۔ جس کے پاس لیٹنے کو چارپائی اور بیٹھنے کو مونڈھا تک نہ تھا وہ مہینوں پر انڈے اور صوفوں پر اچکنے لگے۔ ایک پڑوسی نے تو خود ہم کو اپنا گھر دکھا کر مشورہ لیا تھا کہ اس کے کس کمرے میں کیا کرنا چاہیئے۔ اور ہم نے دو دن تک ان کو محض گھر میں بسنا سکھایا تھا۔ ورنہ وہ یقیناً ڈرائینگ روم میں کھانا کھانے کی اور کھانے کے کمرے میں آرام فرمانے کی کوشش کرتے۔ مگر اس کے باوجود وہ

www.taemeernews.com

ایک دن اپنے بیڈ روم میں احباب کے ساتھ اس لئے گنا چوس رہے تھے کہ بقول ان کے بیگم صاحبہ ڈرائینگ روم میں لیٹی ہوئی چلغوزے کھا رہی تھیں کہ آنکھ لگ گئی اور اب ان کو جگانا مناسب نہ تھا۔

ان حضرت کو کبھی انارکلی میں ڈریس گون پہنے ٹہلتے دیکھا۔ کبھی ڈنر سے پہلے عین دوپہر کو نہر کے کنارے چنے تناول کرتے ہوئے نظر آئے اور بیگم صاحبہ کے لئے تو متعدد مرتبہ تحریر کی ضرورت پیش آئی جو اونچی ایڑی کا جوتا پہن کر چلنے کی مشق میں گر جایا کرتی تھیں۔ کچھ دن بعد یہ حضرت پڑوس کے مکان سے تشریف لے گئے اس لئے کہ آپ کو کوئی اور مکان معہ اپنے سامان کے مل گیا تھا۔ اور حالانکہ چلتے وقت آپ نے یہ مکان ہم ہی کو سونپا تھا۔ کہ اب آپ اس میں آٹھ آئیں مگر احمق جو ٹھہرے بیٹھے رہے۔ اپنے اسی دڑبے میں جس کا عالم یہ ہے کہ یا تو ہم خود رہیں یا سامان کو رکھیں اور اگر دونوں کے لئے گنجائش نکالنا ہے تو اپنے میں اور اپنے سامان میں فرق محسوس نہ کریں۔ اور اس حقیقت کو کبھی ذہن سے نہ نکالیں کہ بابا یہ دنیا سرائے فانی ہے اس میں سو برس کے سامان ہرگز نہ کرا لیے کہ کل کی خبر تجھ کو نہیں ہے۔ چنانچہ ہم نے یہی کیا کہ خدا کے مسبب الاسباب ہونے پر پورا ایمان رکھتے ہوئے اسباب جمع کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اور اگر اسباب جمع بھی کرتے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتا تھا کہ یا تو اسباب باہر رہتا اور ہم گھر میں یا اسباب گھر میں اور ہم باہر۔ مگر ہم نے یہ صورت ہی پیدا نہ ہونے دی اور ہم اور ہمارا اسباب باہر رہا اور ہم ہمارا اسباب دونوں نہایت مرنجان مرنج طریقہ پر اسی گھر میں مدت سے رہتے چلے آ رہے ہیں اور چونکہ ہم

www.taemeernews.com

لامکاں کے بندے ہیں لہٰذا اس سے مکان کی شکایت بھی نہیں کر سکتے۔

صاحب ہمارے مکان میں دو قلمندان گی نسل کے کمرے ہیں۔ ایک کمرے میں ایک طرف باورچی خانہ ہے دوسری طرف ایندھن رکھنے کی جگہ۔ اور دیوار میں بڑی بڑی کیلیں گاڑ کر کچھ بیوی نے نہایت سلیقے سے لگا دیئے ہیں۔ جن پر برتن رکھے جاتے ہیں۔ ایک کونے میں تلے اوپر گھڑے مٹکے اور مٹکیاں رکھی ہیں۔ کسی میں آٹا ہوتا ہے کسی میں ماش کی دال کسی میں چنے کی دال۔ کسی میں گڑ۔ کسی میں لہسن پیاز اور ایک مٹکی میں بچی ہوئی روٹی کے سوکھے ٹکڑے اسی کے قریب پینے کے پانی کی گھڑونچی ہے باقی ہر طرف چوہوں کے بل۔

دوسرے کمرے میں دو پلنگ بچھے ہوئے ہیں اور ان دو پلنگوں کے بعد جو جگہ بچتی ہے اس میں تلے اوپر گرم کپڑوں کے بکس رکھے ہوئے ہیں۔ دو الماریاں بھی اس کمرے میں ہیں۔ جن میں سے ایک میں دوا کی شیشیاں اس ترتیب سے رکھی ہوئی ہیں کہ انسان نہایت آسانی سے آنکھ میں بدہضمی کی دوا ڈال سکتا ہے اور بدہضمی ہو جائے تو آنکھ کی دوا پی سکتا ہے۔ آج تک کا تجربہ ہے کہ اس طرح سے دواؤں کا استعمال عموماً فائدہ پہنچاتا ہے۔ دواؤں کی شیشیوں کے علاوہ اس الماری کے پہلے تختے پر سر میں ڈالنے کا تیل بھی ہے تاکہ بوقتِ ضرورت خواہ سر میں تیل ڈالئے خواہ تنجر۔ ایک آئینہ بھی ہے۔ جس میں یہ شیشیاں اپنا منہ دیکھا کرتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ کبھی الماری کے اسی تختے پر ایک کنگھا بھی پایا جاتا تھا۔ مگر استنادِ زمانہ کے ماتحت اب اس کے چند دندانے باقی رہ گئے

www.taemeernews.com

ہیں۔ الماری کے دوسرے تختہ پر سلائی کا سامان رہتا ہے۔ یعنی وہ قمیص جو پہلے والدین کے کام آئیں اور اب کٹ کر کسی بچے کے لئے سِل رہی ہوں یا باپ کا وہ پتلون جو اب بیٹے کے نکر کی صورت میں جنم لینے کی حالت میں مبتلا ہو۔ ایک نوک ٹوٹی قینچی۔ ایک دھاگے کا گولا جس میں ایک آدھ سوئی بھی اکثر پیوست دیکھی گئی ہے۔ کچھ پھٹے ہوئے موزے کچھ ٹوٹے ہوئے بٹن ایک آدھ کمربند۔ یہ ہے اس دوسرے تختے کا سرمایہ۔ الماری کے تیسرے تختے کے متعلق مؤرخ حیران ہے کہ اس کو کتب خانہ کہے یا نعمت خانہ اس پر کبھی کبھی کتابیں دیکھی گئی ہیں۔ اور بسا اوقات ان ہی میں ملی جلی اچار کی ایک آدھ بوتل۔ یا میلاد شریف کے آئے ہوئے بتاشے۔ اس کی پہچان کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ اگر الماری کے اس خانے کی طرف دیمک دوڑ رہی ہو تو سمجھ لیجئے کہ اس پر کتابیں رکھی ہوئی ہیں اور اگر چیونٹیوں کی قطار نظر آئے تو یقیناً بتاشے ہی ہوں گے۔ اور جب دونوں نہ ہوں تو علم سے بیزاری کا ماتم یا قحط کا رونا جو مناسب سمجھئے اختیار کر لیجئے۔

اس کمرے کی دوسری الماری عموماً مقفل رکھی جاتی ہے تاکہ آنے والوں کو یہ شبہ ہو سکے کہ چرانے کے قابل کچھ چیزیں اس گھر میں بھی ہیں متعدد مرتبہ اسی الماری کے قریب اکثر چوروں کو عرق انفعال میں غرق پایا گیا ہے۔ اس الماری میں سب سے زیادہ قیمتی چیز اس مکان کے کاغذات ہیں جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں۔ اور جس میں آجکل ایک سردار صاحب اپنے کیس دھویا اور سکھایا کرتے ہیں۔ غالباً بیگم صاحبہ

www.taemeernews.com

کا خیال یہ ہے کہ اگر کا غذات کوئی لے اڑا تو پھر اس مکان کو یہاں منگانا بھی ممکن نہ رہے گا۔ دوسری چیز نکاح نامہ ہے جس پر ہم نے بیس ہزار روپیہ کا مہر لکھا ہے اور بیگم صاحبہ مسلسل انتظار کر رہی ہیں کہ یہ رقم مل سکنے کی امید ہو تو مہر کا دعویٰ کریں۔ ان دستاویزوں کے علاوہ جائیداد منقولہ میں ایک توبہ سرمہ دانی جو کہا جاتا ہے کہ چاندی کی ہے اور یہی روایت ایک خلالی کے متعلق بھی سینہ بسینہ چلی آئی ہے تین دھاتوں میں سے تو خیر یہی دو چیزیں ہیں مگر ان کے علاوہ دوسرے نوادر بھی اس الماری میں ہیں۔ مثلاً ایک گھڑی جو اب وقت غالباً اس لئے نہیں دیتی کہ بڑا برا وقت آلگا ہے۔ دو چائے کی پیالیاں جن کے کنڈے اب تک سلامت ہیں اور جو مہمانوں کے سامنے عزت رکھ سکتی ہیں، ایک ڈبل روٹی کاٹنے کی چھری جو ہنگامے کے زمانے میں بیگم صاحبہ کے تکیئے کے نیچے رکھ کر سویا کرتی تھیں کہ شاید میدانِ جہاد میں جانا پڑ جائے۔ اور ہاں چینی کی بوتل تاکہ بچے اس کو پھانک نہ جائیں۔

ان دو الماریوں کے علاوہ اس کمرے میں ایک منٹل پیس بھی ہے جس پر ہم لوگ رات کو لالٹین اور دن کو پاندان رکھا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ صرف یہی جگہ ایسی ہے جس پر ہم لوگ آزادی سے جو چیزیں چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس آزادی کا نتیجہ یہ ہے کہ اسی منٹل پیس پر ننھے کو اپنا کھویا ہوا جوتا بھی مل جاتا ہے اور ہم کو سگریٹ کے اتنے ٹکڑے کہ اگر تمباکو نکال کر پائپ پینا چاہیں تو دو دن تک یہ تمباکو کافی ہو گی۔ بیگم صاحبہ اسی منٹل پیس پر ہاتھ بڑھا کر اپنے بالوں کے کانٹوں سے لے کر بچوں کے کلوٹ تک جو چاہتی ہیں رکھ دیتی اور بسکٹ کے ٹکڑوں سے لے کر

www.taemeernews.com

ہمالیہ کے دامنے تک جو چاہتی ہیں اٹھا لیتی ہیں۔

دنیا حیران ہے اور ہم نے اپنے گھر کا یہ بھید آج تک کسی کو نہیں بتایا ہے کہ اس مختصر سے کمرے میں اوپر ان دو چارپائیوں پر ہم دو میاں بیوی اور تین بچے کیونکر رات بسر کرتے ہیں۔ بہرحال اب تو بتانا ہی ہے لہٰذا عرض یہ ہے کہ ہوتا یہ کہ ایک چارپائی جیسے ہماری۔ ایک بیگم صاحبہ کی۔ چھوٹا بچہ ماں کے پاس منجھلا باپ کے پاس اور بڑا ماں اور باپ دونوں کے زیر سایہ ان دونوں پلنگوں کے نیچے۔ مگر جب سے گھر میں پوہے بڑھ گئے ہیں اس بچے نے ٹرنک جوڑ کر اپنی خوابگاہ بنا لی ہے۔ مختصر یہ کہ زندگی نہایت فراغت میں بسر ہو رہی ہے۔

مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ حضرت جو ہمارے محبت کے ہندوستان سے تشریف لا رہے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ ایک چارپائی کا خیر انتظام کر لیا ہے مگر اب کسی ماہر اقلیدس کی جستجو ہے جو کوئی ایسا زاویہ سمجھا سکے کہ یہ تیسری چارپائی بھی اس کمرے میں بچھ سکے۔ وہ حضرت سمجھ رہے ہوں گے کہ ہمارا تو خدا جانے کیا حال ہوگا۔ کیسے عالیشان محل میں رہتے ہوں گے۔ کیا ساز و سامان ہوگا۔ نہ جانے کہ خود ان کا نوکر اس لوٹ مار کا حال سنکر یہاں بھاگ آیا تھا اور آج کل وہ ایک اعلیٰ درجہ کی فیکٹری کا مالک ہے اور رہتا ہے اس شان سے کہ وہ حضرت بھی دیکھیں گے تو دنگ رہ جائیں گے۔ اس کی کوٹھی کے ہر کمرے میں ایرانی قالین ہیں۔ پنکھے تو اس نے اتنے جمع کر لئے تھے کہ غسل خانے تک میں پنکھا ہے اور ایک قالین تو اس کے پاس اتنا بڑا ہے جو کسی کمرے

www.taemeernews.com

میں جہیں آتا بلکہ سہ پہر کو وہ باہر لان پر بچھا کر اپنی محفل گرم کیا کرتا ہے۔ آج وہ بھی ان حضرت کی آمد کی خبر سنکر آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میں میاں کو اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کروں گا۔ خدا کرے وہ کوشش میں کامیاب ہو جائے ورنہ مجبوراً ان حضرت کو اناج کے گھڑوں کے قریب۔ گھڑونچی کے آس پاس چوہے کے متصل باورچی خانے ہی میں جگہ ملے گی جہاں خدا کی ذات سے امید ہے کہ رات کوان کی خدمت میں چوہے خراج عقیدت پیش کریں گے۔ اور صبح وہ اپنے نوکر کے گھر منتقل ہو جائیں گے۔ جس کا ساز و سامان دیکھ کر ممکن ہے وہ خود ضبط کر جائیں مگر ان کی نگاہیں ہم سے کہیں گی کہ

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

اور واقعی وہ ہم سے نہ ہو سکا۔ جو اس نے اتنی دور سے آکر اور اپنے کو مہاجر کہہ کر کر لیا۔ یا یہاں کے بہت سے مقامی مہاجر جو کئے ہوئے بیٹھے ہیں یہاں تو جو ہمارا کا بیڈ ھنگا پن پہلے تھا وہ اب بھی ہے ویسے تو دل مطمئن رہا کرتا ہے مگر آج کچھ عجیب کیفیت ہے جس میں کچھ ندامت ہے کچھ پشیمانی ہے۔ ندامت ہے غیرت کی۔ پشیمانی ہے لوٹ مار نہ کرنے کی اور سب کی آڑ میں وہ دیانتداری چھ رہی بیٹھی ہے جس کے ماتحت اس وقت ہم نے گھر نہ بھرا۔ جب گھر خالی کئے جا رہے تھے اور شرعی جواز یہ ڈھونڈ لیا گیا تھا کہ اس لوٹ کے سامان کو لوگ مالِ غنیمت کہہ کر قبول کر رہے تھے اور اسی مالِ غنیمت کے باعث ان کی حالت آج تک غنیمت بنی ہوئی ہے۔ ہماری طرح نہیں کہ ایک دوست ذرا آرہا ہے تو سوچ رہے ہیں کہ اس کو کہاں ٹھہرائیں گے عجیب

www.taemeernews.com

عجیب ترکیبیں ذہن میں آرہی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر منشل پیس خالی کر کے صاف کر دیا جائے تو کروٹ لے کر ایک آدمی اس پر بھی سو سکتا ہے بہرحال جگہ دل میں چاہیئے جو بفضلہٖ موجود ہے۔ بشرطیکہ آپ دل میں چارپائی بچھانے کی کوشش نہ کریں بہرحال آنے دیجئے ان کو دیکھا جائے گی ؎

www.taemeernews.com

جگر کے مریض

یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب شاعری کی دنیا میں صرف ایک ڈنکہ پٹ رہا۔ جگر۔ جگر مراد آبادی، جس کو دیکھئے جگر کے شعر گنگناتا۔ بلکہ کبھی کبھی چنگھاڑتا پھر رہا ہے۔ خود ہم نے ایک نہایت بدآواز تانگے والے کو ایک مرتبہ گاتے ہوئے سُنا۔ ؎

ان مست انکھڑیوں کی قسم کھا کے پی گیا

اور ہم نغمہ کی اس بوقلمونی کی تاب نہ لاکر جو تانگے سے جست کر کے بھاگے میں تو گھر آکر دم لیا اور ہم کو اچھی طرح یاد ہے کہ دو تین ہفتہ تک ترنم کی خفیف سی خفیف لہر سے احتلاج ہونے لگتا تھا۔ ریڈیو الماری میں مقفل کر دیا تھا۔ مگر قسمت تو بڑی ستم ظریف واقع ہوئی ہے۔ مین پوری کے ایک مشاعرے میں اچانک ایک صاحب سے تعارف کرایا گیا جن کو ہر طرف سے پریشانیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ مگر وہ خود نہایت مطمئن تھے۔ الجھے ہوئے بال۔ صرف سر پر ہی نہیں چہرے پر بھی۔ گریبان چاک۔ اچکن پہنے ہوئے مگر اس طرح جیسے کوئی بدصورت عورت گلے پڑ جائے کہ طبیعت اس سے فرار چاہتی ہے مگر وہ دم کے ساتھ ہے۔ پان اس طرح کھائے ہوئے گویا خود ہی پان کھانے والے بھی

www.taemeernews.com

ہیں۔ اور خود ہی پاندان بھی واقع ہوئے ہیں۔ ملانے والے صاحب نے فرمایا۔ "حضرت جگر مرادآبادی۔" اور ہم دھک سے رہ گئے۔ کہ منہ در منہ دنیا میں ایسا جھوٹ بھی بولا جا سکتا ہے۔ مگر اسی مشاعرے میں اسی وقت ان ہی حضرت نے غزل شروع کی جس کا ایک آدھ شعر آج تک ذہن میں موجود ہے۔

مجھے اٹھانے کو آیا ہے واعظِ ناداں
جو اُٹھ سکے تو مرا ساغرِ شراب اُٹھا
کدھر سے برق چمکتی ہے دیکھیں واعظ
میں اپنا ساغر اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

اور ہم نے دیکھا کہ غزل پڑھتے وقت یہی بدصورت آدمی شاعر نہیں بلکہ شعر نظر آرہا تھا۔ وہ حسن جو اس وقت اس شخصیت میں پیدا ہو گیا تھا دیکھا نہیں جا سکتا محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اور ہم نے محسوس بھی کیا۔

اس مشاعرے سے واپس آنا تھا کہ اب جس مشاعرے میں جاتے ہیں ایک آدھ نوجوان ایسا ضرور نظر آجاتا ہے جو اسی قسم کے جھونٹے بکھرائے ہوئے۔ اسی طرح گریبان چاک، خواہ مخواہ بیٹھا جھوم رہا ہے۔ ان ہی کی طرح ہنس رہا ہے ان ہی کی طرح پان کھا رہا ہے اور ان ہی کی طرح کھوئے کھوئے انداز سے دانستہ اپنے کو گم کرنے کی عجیب عجیب بھونڈی کوشش کر رہا ہے۔ فوراً سمجھ میں آگیا کہ اچھا یہ حضرت جگر بننے کی کوشش

www.taemeernews.com

کر رہے ہیں۔ گویا جگر یوں بنا جاتا ہے کہ اپنے کو خود اپنا کارٹون بنا کر رکھ دیا جائے۔ پڑھنے کی باری آئی تو وہی جگر کا طرز خواہ آواز کیسی ہی نامعقول کیوں نہ ہو وہی رندی، اور سرمستی کا انداز، خواہ شراب تو درکنار کبھی افیون تک پینے کی توفیق نہ ہوئی ہو۔ مگر جھوم جھوم کر اپنے کو ہم خود جگر بنائے دوسروں کے دل جگر آزما رہے ہیں بلکہ ایک آدھ سر پھرے نے تو واقعی یہ سمجھ لیا کہ جگر کا ایسا مقبول شاعر بننے کے لئے ضروری ہے کہ پی بھی جائے۔ ظرف کا سوال ہی نہیں پینے سے غرض۔ پیدا ہوئے ہیں بھوندو اور کوشش ہے شاعر بن جانے کی۔ نتیجہ یہ کہ شاعر تو خیر ان کو نہ شراب بنا سکی نہ یہ بہروپیا پن البتہ مٹی ضرور خوار ہو کر رہ گئی۔ ایک دو نہیں سیکڑوں ایسے ہی مسخرے شاعروں میں نظر آئے۔ اور پھر خدا جانے ان کا کیا حشر ہوا۔

یہ تو خیر انتہائی عقل کے یتیموں کا ذکر ہے مگر ان کے علاوہ ایک قسم شاعروں کی بھی تھی جن کو جگر سے صرف ایک آدھ چیز ہی اپنے اوڑھنے کے لئے مل سکی۔ مثلاً کسی نے ان کا محض ترنم چرانے کی کوشش کی۔ اور مشاعروں میں سوائے جگر کی دھنوں کے اور کچھ سنائی ہی نہ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ وہ تھا جب جگر اپنے سینے کے درد کی وجہ سے ایک ایسی دھن اختیار کئے ہوئے تھے جس میں سانس کو بار بار ٹوٹنے کا موقع مل جاتا تھا۔ وہی دھن یہ ہے کتنے نوجوان شعراء لے اڑے۔ جگر ہیں کہ دھن پر دھن بدل رہے

www.taemeernews.com

ہیں اور ان کے بلاٹنگ پیپر ہیں کہ ہر دھن کو اپنے میں جذب کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ آواز نہ سہی وکیف نہ سہی۔ بنایت گھریا کے قسم کے خود واقع ہوئے ہیں۔ اور نہایت گھگھیائی ہوئی آواز ہے مگر پڑھ رہے ہیں اسی دھن میں اس لئے کہ ان کے نزدیک جگر کی مقبولیت کا راز یہی آواز یہی آواز اور یہی دھن ہے۔ بعض صاحبزادے ایسے جو ذرا مڈل تک تعلیم یافتہ تھے ان کی بندشیں اپنانے کی کوششیں شروع کر دیں اب خواہ شعر کچھ بن جائے مگر وہ بندشیں ضرور آجائیں مثلاً جگر نے کہہ دیا ہے کہ۔ ع

لے ہجوم نا امیدی شاد باش و زندہ باش

تو وہ اس شاد باش و زندہ باش کو ضرور استعمال کریں گے۔ خواہ یہی کہیں کہ۔ ع

لے میری پیاری حماقت شاد باش و زندہ باش

جگر کی غزلوں پر غزلیں کہی جا رہی ہیں اُس نے جہاں کوئی زمین نکالی یاروں نے اس پر ہل چلانا شروع کر دیا۔ اور اُس پر جو کچھ پیدا ہوا اس کو لگے چرنے۔ جگر جس شہر میں گئے اور ایک مشاعرہ بھی پڑھ آئے۔ بس وہاں برسوں کے لئے گلی گلی جگر نظر آنے لگے۔ جس کو دیکھئے وہ جگر کا ہر تیہ بنا پھر رہا ہے۔ شعر موزوں کہتے ہیں یا ناموزوں۔ بحر رمل ہو یا بحر الکاہل۔ پڑھ رہے ہیں جگر کی لے میں اسی طرح جھوم جھوم کر چھوٹے نٹے بکھرا بکھرا کر۔ باچھوں سے پان کی پیک بہا بہا کر مگر جگر تو وہ خیر کیا بنتے جو کچھ تھے وہ بھی

www.taemeernews.com

نہ رہے اور ہمارا تو خیال یہ ہے کہ جس تانگے والے کی بھیانک آواز سُن کر ہم بھاگے تھے وہ بھی جگر نہ بن سکنے والا شاعر ہوگا جس کو آخر کچھ نہ بن پانے کی وجہ سے تانگہ والا بننا پڑا۔ اور بھی ایسا کہ سواریاں اس کی آواز سے بھاگیں۔ اور گھوڑیاں اڑیل ہو کر رہ جائیں۔

جگر اپنی زندگی کے عجیب و غریب نشیب و فراز طے کر کے آخر اس سطح پر نظر آئے جہاں وہ رئیس المتغزلین بھی تھے اور رندِ بدمست نہیں بلکہ مسلمان۔ زندگی میں ایک باقاعدگی۔ عادات و اطوار کے اعتبار سے مومن۔ جس کی لغزشیں اب تک خدا جانے کتنے نوجوانوں کو گمراہ کر چکی تھیں اب گیارہ سال سے ثبات کے ساتھ اپنی توبہ پر قائم ہے اور کہہ رہا ہے کہ۔ ؎

پہلے شراب زیست تھی اب زیست ہے شراب
کوئی پلا رہا ہے پیے جا رہا ہوں میں

دیکھنا یہ ہے کہ اب کتنے نوجوان جگر بننے کی کوشش کرتے ہیں کتنے شاعر مشاعروں میں ایسے نظر آتے ہیں جن کے کان صدائے اذان پر لگے ہوئے ہوں۔ جو جگر کی طرح بھٹکنے اور لڑکھڑانے کے لئے تیار نظر آتے تھے۔ کیا وہ جگر کی طرح سنبھلنے اور راہ پر آنے کی بھی کوشش کر سکتے ہیں۔ جگر کی نقالی کا وقت اب آیا ہے۔ پہلے کی طرح اگر جگر لاہور آئے ہوتے تو ان کے جاتے ہی گوشہ گوشہ میں بیسوں جگر ڈوبے ہوئے نظر آتے۔ مگر اب جگر کو ایک دوسرے ہی عالم میں دیکھنے والے کاش جگر سے آج بھی کچھ حاصل کر سکیں۔ اس کی شاعرانہ حیثیت پہلے سے بھی

www.taemeernews.com

بلند ہے۔ اس کے کلام میں آج پہلے سے کہیں زیادہ رمزے ہیں۔ اس کو سُن کر محفل آج بھی لہریں لیتی ہے۔ البتہ اب وہ ذرا نمازی ہے۔ بیشک اب وہ تائب ہے اب وہ ہلکی پھلکی باتیں نہیں بلکہ ذمہ دارانہ گفتگو کرتا ہے۔ اب اس کے مسائل میں سنجیدگی پائی جاتی ہے دیکھنا ہے کہ ان خصوصیات کے شیدائی کتنے طالب علم ملتے ہیں اور جگر کے جانے کے بعد جگر کس حد تک لاہور میں رہ جاتے ہیں ۔

www.taemeernews.com

سو کا نوٹ

شوکت صاحب نے یہ مضمون مکتبہ عجیب و غریب کے پروپرائٹر کو سامنے رکھ کر لکھا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی ادیبوں نے (زیب داستان کے لئے) پبلشروں پر اسی قسم کے مضمون لکھے ہیں، ہو سکتا ہے کہ بعض ناشروں نے مصنفین کی حق تلفی کی ہو۔ لیکن ہر پبلشر کے لئے قارئین کے ذہن میں ایسی باتیں ثبت کرانا کچھ مستحسن نہیں۔ اگر کچھ ناشر ایسے ہی مضامین کے مستحق ہیں تو بہت سے مصنفین پر تو اس سے بھی "جامع" مضامین لکھے جا سکتے ہیں ـــــ شوکت صاحب کو آئندہ ملاقات پر ایسے بہت سے واقعات بتاؤں گا۔ شاید اس طرح مضمون کی دوسری قسط بھی آپ تک پہنچ سکے۔

محمد طفیل

اس کی شان پر قربان جائیے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بڑا مسبب الاسباب ہے۔

www.taemeernews.com

جیب میں ایک پیسہ نہ تھا اور گھر سے چلتے وقت گھر والی نے نوٹس دے دیا تھا کہ خرچ کا انتظام کر کے شام کو آنا ورنہ صبح اُٹھتے ہی دودھ والے سے فوجداری ہوگی۔ اس کے بعد دھوبی آجائے گا اپنا حساب کرنے اور اس ہفتہ کے راشن کا بھی کل ہی آخری دن ہے۔ اگر راشن نہ آیا تو ایک ہفتہ تک خدا ہی حافظ ہے۔ یہ تمام ضرورتیں اپنی پوری اہمیت کے ساتھ ذہن میں موجود تھیں مگر روپیہ آئے تو کہاں سے۔ غرض کے تمام دروازے بند۔ آمدنی کی تو خیر کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اب زیر غور مسئلہ یہ تھا کہ کسی کی جیب کاٹنا مناسب رہے گا۔ یا اگر چوری ہی کرتا ہے تو ذرا معزز قسم کی چوری کیوں نہ کی جائے۔ مثلاً کسی تجوری کا قفل کیوں نہ توڑا جائے۔ مگر ہمت ان دونوں میں سے کسی کام کی نہ تھی۔ صبح سے دوپہر تک احباب کی فہرست پر کئی مرتبہ نظر ڈال چکے تھے۔ جتنے چار پیسے والے دوست تھے ان سب سے قرض لئے بیٹھے تھے۔ باقی دوستوں کے متعلق یقین تھا کہ اگر ان کے پاس گئے تو وہ صورت دیکھتے ہی خود ہم سے سوال کر بیٹھیں گے۔ آخر ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ کوئی چیز بیچ ہی لیں۔ مگر اس تجویز پر عمل کرنا اس لئے آسان نہ تھا کہ اس وقت ہمارے پاس سب سے زیادہ قیمتی چیز وہ قلم تھا جو لڑائی سے پہلے تو خیر ہم نے ڈھائی روپے میں خریدا تھا۔ مگر اب اس کی قیمت پانچ سے کم تو خیر کسی طرح نہیں ہو سکتی یہ اور بات ہے پرانا نہ ہونے کی وجہ سے کوئی ڈھائی روپے میں بھی نہ خریدے۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ نئے قلم میں وہ بات نہیں ہوتی جو چلتے ہوئے قلم میں ہوتی ہے۔ اور

www.taemeernews.com

اس قلم سے ہم اتنا لکھ چکے تھے کہ اب اس کے لئے صرف اشارے کی ضرورت ہوا کرتی تھی، اس کے بعد صفحے کے صفحے وہ خود نہایت روانی سے لکھتا چلا جاتا تھا۔ مگر یہ وصف ہر ایک کو سمجھانا بھی کوئی آسان بات نہ تھی، ایسے سمجھ دار لکھے پڑھے لوگ ضرورت کے وقت ذرا مشکل سے ملا کرتے ہیں۔ قلم کے علاوہ جیب میں ایک چاقو بھی تھا۔ ہر چند اس چاقو کا دستہ ٹوٹا ہوا تھا۔ مگر فولاد کا کیا کہنا تلوار کے لوہے کا بنا ہوا چاقو تھا، مگر اس کے دام بھی چند آنوں سے زیادہ ملنے کی اُمید نہ تھی کاش اس وقت جیب میں وہ گھڑی بھی ہوتی جو پچھلے ہفتے راشن کے آخری دن دس روپے میں نکال دی تھی۔ اب اس کی یادگار اس کی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ یوں تو خیر یہ زنجیر پیتل کی تھی۔ مگر کاریگر نے بنانے میں اپنا پورا فن صرف کیا تھا۔ خیر اس کے بھی آٹھ آنے رکھ لیجئے۔ اگر یہ سب چیزیں فروخت ہو سکیں تو بھی ساڑھے تین یا چار روپے سے زیادہ نہیں بنتے۔ حالانکہ ضرورت ہے کم سے کم دس بارہ روپے کی۔

ابھی اسی ادھیڑبن میں تھے کہ پردہ اٹھا کر ایک صاحب نے فرمایا۔

"میں آ سکتا ہوں"

عرض کیا۔ "تشریف لائیے"

وہ صاحب نہایت خاکسارانہ انداز سے کچھ مسکراتے ہوئے

www.taemeernews.com

تشریف لائے اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ کر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کا دل بہلانے لگے۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

"کیسے تشریف لائے؟"

ان صاحب نے عجیب محبوبیت کے ساتھ فرمایا "آپ ہی کے پاس حاضر ہوا تھا۔ میرا نام ہے اسلم اور میں مکتبہ عجیب وغریب سے حاضر ہوا ہوں۔"

عرض کیا "مکتبہ عجیب وغریب؟ وہی نا جس نے حال ہی میں بڑے اہتمام سے راون کی سوانح عمری شائع کی ہے؟"

بڑے انکسار سے بولے۔" جی ہاں حیاتِ راون ہماری تازہ پیش کش ہے۔ اس کے علاوہ نقشِ چنگیز۔ ابلیس نامہ۔ سیاستِ جہنم اور افکارِ ہٹلر ہماری چند معیاری مطبوعات ہیں"

عرض کیا۔" صاحب آپ کا مکتبہ بڑی خدمت کر رہا ہے ادب کی اور یہ واقعہ ہے کہ جب تک اس قسم کے مکتبے اور دارالاشاعت ہمارے ادب کو مالا مال کر رہے ہیں۔ ہمارا ادب زندہ رہے گا"

اسلم صاحب نے خوش ہو کر کہا۔" اس وقت حاضری کا مقصد یہ تھا کہ آپ بھی اپنی کوئی چیز ہم کو مرحمت فرمائیں"

عرض کیا" مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے مگر تیار تو کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میں کوئی چیز جلد سے جلد آپ کے لئے تیار کر دوں"

www.taemeernews.com

اسلم صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سبز رنگ کا نوٹ نکالا اور بڑی عاجزی سے اپنے چہرے پر یتیمی برساتے ہوئے بولے۔ "یہ سو روپے علی الحساب اپنے پاس رکھئے باقی معاملات کتاب تیار ہونے پر طے پا جائیں گے۔ مگر ہم کو جلد سے جلد ایک ناول تیار کر دیجئے۔"

ہم نے سو روپے کا نوٹ لے کر اس کی رسید اسلم صاحب کو دے دی۔ اور وعدہ کر لیا کہ اس مہینہ کے اندر مسودہ ان کو دے دیں گے۔

اسلم صاحب کو یقیناً خدا نے بھیجا تھا۔ رحمت کے فرشتے اسی طرح اچانک آیا کرتے ہیں، اور یوں ہی نواز کر چلے جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد دیر تک تو یہی سمجھ میں نہ آیا کہ بیداری ہے یا بلی کہ خواب میں چھیچھڑے نظر آ رہے ہیں۔ مگر جب دفتر کے اکاؤنٹنٹ سے اس نوٹ کے واقعی سو روپے گنوا کر وصول کر لئے اور دفتر سے دو گھنٹہ کی چھٹی لے کر سیدھے بازار پہنچے اور وہاں ضرورت کی چیزوں سے زیادہ غیر ضروری چیزیں خرید کر گھر آ گئے تو یقین آ گیا کہ یہ خواب نہیں، بلکہ اس کارساز کی کارسازی ہے۔ راشن کیا یہاں تو جشن کا انتظام ہو گیا تھا۔ قرض خواہوں کے قرض ادا کئے کچھ کپڑا خریدا اور جب بیوی نے فضول خرچی کا طعنہ دیا تو ان کو مطمئن کر دیا۔ کہ یہ تو پیشگی رقم ہے۔ اصل رقم تو اب آئے گی۔ کتاب ختم ہونے کے بعد بلکہ اس اصل رقم کی امید پر کچھ تازہ مطالبات کی بڑھا لئے۔

www.taemeernews.com

جب دل کو اطمینان ہو تو کام بھی خوب ہوتا ہے اور جب کام کے اختتام پر معقول معاوضہ ملنے والا ہو تو مزدور خوش دل واقعی کندکارِ بیش، ناول ایک ہفتہ کے اندر ہی ختم کر کے رکھ دیا اس لئے کہ امید یہ تھی کہ جو شخص معاملات طے ہونے سے پہلے یوں سو روپے کی رقم بغیر مانگے پیشگی دے وہ معاملات بھی ظاہر ہے کہ کس سیر چشمی سے طے کرے گا۔ اور وہ رقم کتنی بڑی ہوگی جو معاملات طے ہونے کے بعد ملے گی۔ جب رات ناول مکمل کیا ہے اس رات نیند تو خیر کیا آتی البتہ فہرست بناتے رہے کہ دفتر سے واپسی پر بازار سے کیا چیزیں لائیں گے۔ اس فہرست میں بچوں کے کچھ کپڑے اور کھلونے تھے۔ اپنے لئے موزے اور بنیائن۔ بیوی کے لئے ایک ذرا اچھے قسم کی ساڑھی۔ ایک ذرا قیمتی سا قلم، دھوپ کا چشمہ۔ مچھر مارنے کا تیل۔ شربت کی بوتل۔ اور نہ جانے کیا کیا۔ صبح جب دفتر جانے لگے تو راستے میں سائیکلوں کی دکان پر ٹھہر کر اچھا خاصا سائیکلوں کی قیمت بھی دریافت کر لی۔ کہ آج کل کیا بھاؤ ہے۔ آگے بڑھے تو خدا جانے بیوی کی یاد نے کیوں ستایا۔ ایک دکان پر پہنچ کر سونے کا بھاؤ پوچھ لیا۔ بلکہ دکاندار سے ایک بندے کی جوڑی کے متعلق کہہ دیا کہ اس کو اٹھا کر الگ رکھ دو۔ واپسی میں سودا ہوگا۔ اس دوکان سے نکلے ہی تھے کہ اصغر اور حمید مل گئے۔ ان سے کہہ دیا کہ بھائی اس وقت تو ذرا جلدی سے دفتر پہنچنا ہے کل شام کو گھر آؤ تو ذرا تفصیلی باتیں ہوں گی اور کھانا ساتھ ہی کھانا۔ ان سے رخصت ہو کر دفتر پہنچے۔ اور سب سے پہلے مکتبہ عجیب و غریب کا نمبر ملا کر اسلم صاحب

www.taemeernews.com

سے کہا کہ وہ فوراً آجائیں۔

اسلم صاحب تھوڑی ہی دیر میں حسب معمول یتیم بنے ہوئے تشریف لے آئے اور ہم نے ناول کا مسودہ ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اب معاملات طے کر لیجئے۔"

اسلم صاحب نے مسودے کو الٹ پلٹ کر اور سطروں کو گن کر کچھ حساب لگایا کچھ مسکرائے کچھ بڑبڑائے اور آخر اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر سرخ رنگ کے کچھ نوٹ نکال کر ہم کو دیتے ہوئے کہا۔ "سو روپے تو پہلے پیش کر چکا ہوں بقیہ پچاس روپے یہ حاضر ہیں۔ جملہ حقوق کی رسید لکھ دیجئے۔"

حیرت سے عرض کیا۔ "کیا مطلب؟ کیا کل ڈیڑھ سو روپے"

اسلم صاحب نے بڑے اطمینان سے فرمایا۔ "جی ہاں یہ رقم بالکل ٹھیک ہے ہماری شرح یہی ہے۔"

ہم نے وہ روپے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "یہ آخر آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ڈیڑھ سو روپے میں کہیں کتاب دی جاتی ہے۔ مجھ کو یہ سودا ہرگز منظور نہیں۔"

اسلم صاحب نے اپنے مختلف مصنفوں کے حوالے دیتے ہوئے کہا۔ "اس سے زیادہ تو شاید مکتبہ اور کچھ نہ پیش کر سکے"

ہم نے کہا۔ "تو پھر جانے دیجئے۔"

اسلم صاحب نے مجبوراً کہا۔ "بہرحال جو مرضی ہو آپ کی۔ ہم تو چاہتے کہ معاملہ ہو جاتا۔ آپ اگر نہیں چاہتے تو کوئی بات نہیں۔ وہ سو روپے

www.taemeernews.com

واپس کر دیجئے۔"

وہ سو روپئے؟ اب سمجھ میں آیا کہ وہ سو روپے کیوں پیشگی دیئے گئے تھے۔ اور اب معلوم ہوا کہ یہ نیاض پبلشرز دکھتی رگوں کو کس صفائی سے ٹٹول لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب وہ سو روپے واپس نہیں کئے جا سکتے تھے اور چونکہ واپس نہ ہو سکتے تھے لہٰذا ہم مجبور تھے کہ یہ سودا ان ہی داموں کریں۔ ان سو روپوں کے علاوہ ان پچاس کی بھی ضرورت اب یوں تھی کہ اصغر اور حمید کل کھانے پر آ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ہمارا ہاتھ بڑھا۔ یہ نوٹ ہماری جیب میں اور مسودہ اسلم صاحب کی جیب میں پہنچ گیا۔ اور جملہ حقوق مکتبہ عجیب و غریب کے نام لکھ دیئے گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

www.taemeernews.com

سسرالی رشتہ دار

مصیبت یہ ہے کہ ریڈیو سیٹ سُسرال میں بھی ہے۔ امید وہاں کی ہر دیوار گوش دارد، مگر بزرگوں کا یہ مقولہ اس وقت رہ رہ کر اکسا رہا ہے کہ بیٹا پھانسی کے تختہ پر بھی سچ بولنا، خواہ وہ پھانسی زندگی بھر کی کیوں نہ ہو، موضوع جس قدر نازک ہے اسی قدر اخلاقی جرأت چاہتا ہے۔ اور اس اخلاقی جرأت کا نتیجہ بھی معلوم، کہ سُسرال کی آنکھوں کا تارا، خوش دامن صاحبہ کا راج دلارا اس تقریر کے بعد پھر شاید ہی سسرال میں منہ دکھانے کے قابل رہ جائے۔ ہر چند کہ حفظ ماتقدم کے طور پر آج سُسرال والوں کو سینما کے پاس لاکر بھی دے دیئے ہیں۔ اور ریڈیو سیٹ کا ایک بلب بھی احتیاطاً جیب میں ڈال لائے۔ مگر یہ سب کچھ سُسرال کے ایک گھر میں ہوا ہے اور گھر ٹھہرے وہاں درجنوں ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی تو یہ تقریر سن ہی لے گا۔ اور پھر سُسرال ٹرانسیٹر سے نمک مرچ لگا کر یہ تقریر نشر ہوگی، بیوی کا منہ پھول جائے گا۔ ان کی والدہ کی سرد آہیں محلہ بھر کو فریجیڈیر بنا کر رکھ دیں گی، ان کی خالہ گردن ہلا ہلا کر اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر فرمائیں گی کہ میں نہ کہتی تھی کہ داماد آستین کا سانپ

www.taemeernews.com

ہوتا ہے ۔ آخر کب تک نہ پھنکارتا ۔ سارا کیا دھرا ملیا میٹ کر کے رکھ دیا کہ نہیں ۔ مگر اب تو جو کچھ ہو سچ بولنا ہی پڑے گا ۔ ان لوگوں کا وہاں ذکر نہیں جو سسرال میں مبتلا ہو چکے ہیں ۔ بلکہ مخاطب وہ ہیں جن کو ابھی واصل بہ سسرال ہونا ہے کہ ؎

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل
زنہار اگر تمہیں ہوسِ عقد و قد ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
مجھ سے وصول کر لو نصیحت جو عقد ہے

میں ایک داماد ہوں اور میں نے جلد بازی سے کام لے کر شادی کے معاملے میں صرف بیوی کے سلسلے میں تو ضروری تحقیقات کر لی تھی کہ کیا عمر ہے صحت کیسی ہے صورت و شکل کا کیا عالم ہے، تعلیمی استعداد کیا ہے وغیرہ وغیرہ مگر اب سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑتا ہے کہ یہ کیوں پوچھا تھا کہ ان میں کتنی خالائیں ۔ کتنی نانیاں ۔ دادیاں ۔ چچیاں ۔ تائیاں ۔ بہنیں ۔ اور بھاوجیں ہیں ۔ اور کتنے اسی قسم کے مرد رشتہ دار ہیں، اور ان رشتہ داروں کے کتنے ایسے رشتہ دار ہیں جن کو جبراً اپنا رشتہ دار سمجھنا پڑے گا ۔ اور کتنے ایسے عزیز ہیں جن کو اخلاقاً عزیز ماننا پڑے گا ۔ پھر ان کے بعد ان عزیزوں کی باری آتی ہے جن کو انتظاماً عزیز کہا جاتا ہے ۔ پھر انتقاماً عزیز بن جانے والوں کی باری آتی ہے ۔ اور آخر میں جغرافیائی رشتہ دار آتے ہیں، مثلاً خالہ، ہمسائی، اور چچا پڑوسی وغیرہ، اس تحقیقات نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ۔ ع

www.taemeernews.com

دل غریب ادھر ہے اُدھر زمانہ ہے

ایک سے ایک سُسرالی رشتہ دار روز دیکھ لیجئے جو محبت چھڑکنے دھرا ہوا ہے۔ غریب خانے پر دفتر سے تھکے ہارے بھوکے پیاسے دماغ کا عرق نکلوائے ہوئے سکون کی تلاش میں گھر پہنچے ہیں، کہ دیکھتے کیا ہیں، میٹھے پانی کی بوتلیں بھقابھق کھل رہی ہیں، مرغ ذبح ہو رہا ہے، خانساماں باورچی خانہ میں پتیلیوں سے ورزش کر رہا ہے۔ اور اندر سے ایسے قہقہوں کی آوازیں آرہی ہیں گویا کوئی بے چارہ آسیبی خلل میں مبتلا ہے۔ کسی ملازم سے پوچھا کہ یہ گھر کس کے نام الاٹ ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ کے کوئی پھوپھا معہ اہل و عیال تشریف لائے ہیں..... جل تو جلال تو..... صاحب کمال تو..... آئی بلا کو ٹال تو ..... کا وظیفہ پڑھتے ہوئے جو گھر میں داخل ہوئے تو بیگم صاحبہ خوشی سے بدحواس دوڑی ہوئی تشریف لائیں۔ ارے آپ کو خبر بھی ہے کون آیا ہے۔ پھوپھا میاں۔ پھوپھی۔ نجو۔ جگنو۔ چھمی۔ لاڈو۔ رانی۔ آئیے نا آپ نے تو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ ان سب کو۔ بڑا انتظار کر رہے ہیں۔ سب آپ کا۔ عرض کیا۔ کچھ بتائیے تو سہی یہ کون پھوپھا تصنیف کر لئے آج وہ جو پرسوں آئے تھے۔ وہ بھی تو پھوپھا تھے۔ احمق سمجھ کر مسکرائیں۔ ارے وہ تو ذرا دُور کے پھوپھا تھے۔ یہ ان سے ذرا قریب کے پھوپھا ہیں۔

ابا جان کی رشتہ میں خالہ زاد بہن کی سگی نند ہیں۔ یہ تو ہماری

www.taemeernews.com

شادی میں نہ آسکی تھیں۔ پھوپھا میاں بیچارے پر ایک جھوٹا مقدمہ چل گیا تھا ان دنوں، مطلب یہ ہے کہ اب آئے ہیں یہ لوگ، بڑی محبت کے لوگ ہیں آپ بہت خوش ہوں گے چلئے میں چائے لگواتی ہوں سب کے ساتھ آپ بھی پی لیجئے۔ اب جو ہم ذرا ان کے قریب پھوپھا کے پاس پہنچے تو جی چاہا کہ ان سے مزاج پوچھنے کے بجائے گھی کا بھاؤ پوچھ لیں۔ چڑھی ہوئی داڑھی۔ بڑا سا پگڑ۔ خوفناک آنکھیں، پہاڑ کا پہاڑ انسان ہماری شادی کے زمانے میں اس شخص پر جھوٹا نہیں بلکہ ڈکیتی کا سچا مقدمہ چل رہا ہوگا۔ آنکھیں چار ہوتے ہی ڈر کے مارے عرض کیا۔ السلام علیکم۔ وہ حضرت ایک دم سے وعلیکم السلام کا بم رسید کر کے حملہ آور ہو گئے اور اس زور سے مصافحہ فرمایا ہے کہ بھتیجی کا سہاگ ٹوٹا کر رہ گیا۔ ابھی ان حضرت سے زور کر ہی رہے تھے کہ ان کی اہلیہ محترمہ بلائیں لینے کو جو آگے بڑھی ہیں تو بیساختہ کلمہ شہادت زبان پر آگیا کہ اس سے بڑی سعادت اور کیا ہے کہ مرنے سے پہلے کلمہ پڑھ سکے آدمی۔ مگر یہ محترمہ یعنی۔ یکے از خوشدامن دعائیں دیتی ہوئی ہٹ گئیں۔ اب جو نظر پڑتی ہے تو ان کے ایک صاحبزادے ہمارا ٹینس کا بلا لئے ایک سٹول قسم کے پتھر سے کھیل رہے ہیں اور ہم پر وہ وقت پڑا ہے کہ ہم ان سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہ بلا ہے جس سے ہم کو لان ٹینس چیمپئن شپ کے میچ کھیلنا ہیں۔ ٹینس کے اس بلے پر فاتحہ بھی پڑھنے نہ پائے تھے کہ ایک نہایت گھناؤنی سی صاحبزادی ایک

www.taemeernews.com

اس ہاتھ میں اور ایک اُس ہاتھ میں دو پیپر ویٹ لیے ہوئے نظر آئیں جو ظاہر ہے کہ لکھنے کی میز سے اٹھائے گئے ہوں گے لپک کر لکھنے کی میز کو جو دیکھتے ہیں۔ تو وہاں روشنائی کا سیلاب آچکا ہے اور اکثر ضروری کاغذات روشنائی میں ڈوب کر خشک بھی ہو چکے تھے۔ ابھی رونے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ ڈریسنگ ٹیبل پر زلزلہ سا آگیا۔ چھوٹی بڑی شیشیاں آپس میں ٹکرانے لگیں اور ایک آدھ گر بھی گئی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک برخوردار اس کے نیچے سے برآمد ہو رہے ہیں۔ جی چاہا کہ سر پیٹ لیں، مگر بیگم نے باہر ہی سے آواز دی کہ چائے لگ گئی ہے۔ لہٰذا خون کے گھونٹ پیتے ہوئے چائے کی اس میز پر آگئے جو مہاجرین کا کیمپ بنی ہوئی تھی۔ پھوپھا صاحب چائے کی پیالی سے طشتری میں چائے انڈیل انڈیل کر شڑپ شڑپ کی آوازوں کے ساتھ چائے نوش فرما رہے تھے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کیلا کھا چکنے کے بعد ایک ایک کیلا اپنی اولاد کو تقسیم فرما رہی تھیں۔ اور اولاد خشک میوے سے اپنی جیبیں بھر رہی تھی۔ ایک صاحبزادے نے اپنی پلیٹ سے بادام چھیننے کی کوشش میں جو ہاتھ مارا ہے تو نئے سیٹ کی کیتلی ایک زمزمے کے ساتھ فرش پر گر کر چکنا چور ہو گئی تو ہم نے اپنے کو غشی سے بچاتے ہوئے عرض کیا کوئی مضائقہ نہیں۔ حالانکہ یہ سو فیصدی مضائقہ ہی مضائقہ تھا۔ پھوپھا صاحب نے اِدھر سے اور پھر پھوپی صاحبہ نے اُدھر سے صاحبزادے کو دو ہاتھ رسید کر کے رہی سہی فضا کو اور بھی نغموں سے لبریز کر دیا۔ اور اب جو اُن برخوردار نے رونا شروع

www.taemeernews.com

کیا ہے تو خود کشی کو جی چاہنے لگا ۔ خدا خدا کر کے یہ طوفان تھما تو پھوپھا صاحب نے تقریب تشریف آوری کچھ اس فصاحت سے بیان فرمایا ہے کہ ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ۔ معلوم ہوا کہ مقدمہ چل جانے کی وجہ سے ملازمت جاتی رہی ہے ۔ لہٰذا آپ ملازم ہونے تشریف لائے ہیں ۔ اور جب تک خاکسار ان کے لئے ملازمت کا انتظام نہیں کرتا وہ ٹلنے والے نہیں ہیں ۔ عمر پنشن لینے کے لگ بھگ تعلیم ایسی کہ خواندہ کانسٹیبل بھرتی ہو کر ہیڈ کانسٹیبل کے عہدۂ جلیلہ تک ترقی فرمائی تھی کہ اب یہ پکڑ لی جانے والی رشوت پکڑ لی گئی اور ۔ ع

دھرے گئے دلِ خانہ خراب کے بدلے

وہ تو کہیئے خوش نصیب تھے کہ قالین بافی سیکھنے جیل نہیں بھیجا گیا صرف ملازمت ہی گئی ۔ خیر یہ تو جو کچھ ہوا، وہ ہوا، سوال تو یہ تھا کہ آخر ہم اپنی کس جیب سے ملازمت نکال کر ان کے حوالے کرتے کہ اے ہماری بیوی کے محترم پھوپھا یہ لے ملازمت ۔ ہم کو خاموش دیکھ کر بولے ۔" برخوردار اس خاموشی سے کام نہ چلے گا ۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کس قدر اثر اور رسوخ کے آدمی ہو ۔ ذرا سا اشارہ کر دو گے تو اچھی سے اچھی ملازمتیں میرے لئے خود ہاتھ پھیلائیں گی ۔ صاحبزادے حکام رسی بڑی چیز ہوتی ہے اور میں تو اس کو اپنے خاندان کے لئے نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہوں ۔ کہ تمہارا ایسا بارسوخ برخوردار ہمارے خاندان میں شامل ہو گیا ہے تو میاں مطلب یہ ہے کہ میرے گھر کا خرچ ڈھائی سو

www.taemeernews.com

روپیہ ماہوار سے کسی طرح کم نہیں ہے میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ ملازمت ایسی ملے کہ بالائی آمدنی کی لعنت میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔ بیگم صاحبہ نے بڑی شگفتگی سے فرمایا۔" پھوپھا میاں بس اب اطمینان رکھیئے۔ آپ نے ان سے کہہ دیا ہے۔ بس اب یہ سمجھ لیجئے کہ نوکری مل گئی۔ ان کی کوشش ٹل نہیں سکتی۔ اور ہم کو گھور کر چپ رہنے کا اشارہ کر دیا۔ لہٰذا ہم کو کہنا ہی پڑا کہ انشاءاللہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔

چائے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آکر بیوی صاحبہ کو بلا کر سچ مچ رو دینے کے انداز سے کہا۔" خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم نے آخر میرا کیا انجام تجویز کر رکھا ہے۔ یہ تمام نقصانات یہ ابتری گھر کی۔ یہ ستیاناسی میرے کمرے کی۔ میرے قیمتی ریکٹ کی یہ بربادی وغیرہ تو ایک طرف میں ان سب نقصانات کو اپنی جان کا صدقہ سمجھ لیتا۔ مگر مجھ سے آخر ایسے وعدے کیوں کرا دیئے ہو۔ جو میرے امکان ہی میں نہ ہوں۔ بھلا غور تو کرو میں ان حضرت کو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی ملازمت کیسے دلوا سکتا ہوں۔" سرگوشی کے انداز میں بولیں آپ سچ مچ عقل کے دشمن ہیں۔ میں نے تو اپنے میکے میں آپ کا نام اونچا کرنے کے لئے مشہور کر رکھا ہے۔ کہ آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ بڑے بڑے افسر آپ کے نام کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ آپ کو نہیں معلوم اس طرح عزت بڑھتی ہے آدمی کی۔ ایک آدھ دن کے بعد خوبصورتی سے ٹال دوں گی۔ عرض کیا کاش یہ خوبصورتی آپ اب نہ آزماتیں تاکہ میرا قیمتی ریکٹ

www.taemeernews.com

بچ جاتا۔ اتنے حسین چائے کے سیٹ کی کیتلی نہ ٹوٹتی" پھر رازداری سے بولیں "ارے آپ کو نہیں معلوم ہے یہ پھوپھا بڑے ڈھنڈورچی ہیں۔ اگر یہاں سے ہم لوگوں کے حسن سلوک کے قائل ہو کر گئے تو سارے خاندان میں آپ کی تعریفیں کرتے پھریں گے۔ آج ان سب کو سینما ضرور دکھا دیجیے۔ کسی کا موٹر چپکے سے منگوا لیجیے گا۔ میں نے کہہ رکھا ہے کہ موٹر کارخانے گیا ہوا ہے" لیجیے یک نہ شد دو شد آپ نے یہ بھی مشہور کر رکھا ہے۔ کہ گھر کا موٹر بھی ہے۔ اب بتائیے کہ اس میں بیچارے سسرال والوں کا کیا قصور وہ تو اسی قسم کی موٹی تازی توقعات لے کر آتے ہی رہیں گے۔ اور بیگم صاحبہ کی یہ شیخی دیوالہ نکلوائی رہے گی۔ اسی طرح بات یہ ہے کہ اس بات کا صحیح اندازہ تو مردم شماری کے کاغذات دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ بیگم صاحبہ کی معرفت ہمارے سسرالی عزیزوں کے صحیح اعداد شمار کیا ہیں۔ مگر فی الحال تو یہ ہو رہا ہے کہ دفتر میں بیٹھے کہ چلیں اٹھائی اور کوئی نہ کوئی اجنبی بزرگ موجود۔ برخوردار تم مجھ کو نہیں جانتے مگر تم در اصل میری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور ہو اور میں رشتہ میں تمہارا خسر ہوتا ہوں وہ بچی جو تم سے منسوب ہے میری گود وں کی کھلائی ہوئی ہے اور بچپن ہی سے اس کی پیشانی پر وہ ستارا چمکتا ہوا دیکھ رہا تھا جس کو نیر اقبال کہتے ہیں۔ تو عزیز من دیکھنے کو بے حد جی چاہتا تھا۔ دوسرا کام یہ تھا کہ میرے بھتیجے یعنی تمہارے برادرِ نسبتی کا چالان ہو گیا ہے۔ بلوے کے سلسلے میں غالباً

www.taemeernews.com

صاحبزادے نے کسی کا سر پھوڑ دیا ہے بہر حال تم میرا اتنا کام کردو کہ اس چالان کے قصے سے نجات دلوادو کسی طرح اب وہ کام ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو مگر اس حماقت کی پاداش میں کرنا ہی پڑے گا کہ ان کے خاندان میں شادی کر بیٹھے ہیں دفتر سے گھر پہنچے ہیں تو کوئی اور ہی رشتہ دار موجود ہے اپنی کسی ایسی ہی غرض کو لئے ہوئے۔ اور اگر کچھ نہ بھی سہی تو آج اس سسرالی عزیز کے کسی عزیز کی شادی ہے اور دلہن کے لئے تحفہ کی ضرورت ہے۔ آج اس سسرالی عزیز کے بندہ زادے کا عقیقہ ہے اس میں شرکت کی ضرورت ہے اور شرکت ٹیکس کی بھی۔ بیگم صاحبہ واقع ہوئی ہیں ایسی مرنجانِ مرنج کہ میکہ والوں سے تعلقات بھی زیادہ سے زیادہ استوار رکھنا چاہتی ہیں اور شوہر کو بھی کچھ ایسا رائی کا سا پہاڑ بنا کر اپنے میکے بھر میں مشہور کر رکھا ہے کہ ان کی تصنیف کی ہوئی پوزیشن کو سنبھالنا ایک مستقل عذاب بن کر رہ گیا ہے یہ حال ہے کہ کسی پر مقدمہ چل جائے وہ دوڑا آئے گا۔ اس خاکسار کے پاس۔ کسی کو کوئی سفارش پہنچوانا ہوگی منہ اٹھائے چلے آئیں گے غریب خانے پر۔ کسی سے کوئی جرم سرزد ہوگا۔ پناہ لی جائے گی اس خاکسار کی آڑ میں۔ بیوی نے اس خاکسار شوہر کو تبرک بنا کر اپنے میکے میں بانٹ دینے کی ٹھان لی ہے۔ اور خوش ہیں کہ ماں کا سکہ جم رہا ہے میرے عزیزوں میں۔ میاں ایسے حواس باختہ ہو چکے ہیں کہ۔

www.taemeernews.com

ان سسرالی نوازشات کا اب سلسلہ بند ہوتا ہی نہیں کوئی لاکھ محبت چھڑکتا۔ خلوص برساتا۔ ماتائیں لٹاتا ہوا آئے مگر یہ سنتے ہی خون خشک ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی سسرالی عزیز ہے۔ وہ بے چارہ داماد پرسی کا احسان کرتا ہے اور داماد ایسے سسرال سے بیزار ہوتے جاتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ

مجھ پہ احسان جو کرتے تو احسان ہوتا

www.taemeernews.com

میں میراجی کو نہیں جانتا

واقعی میں میراجی کو بالکل نہیں جانتا۔ اور جاننا بھی کیسے وہ زندگی بھر بھوت بن کر جیئے اور مرنے کے بعد زندہ ہو رہے ہیں اگر میں یہ کہوں کہ ان کے انتقال کے بعد مجھ کو ان کی خدمت میں کچھ کچھ نیاز حاصل ہو رہا ہے تو غلط نہ ہوگا اور عافیت بھی اسی میں ہے کہ ایسے لوگوں سے مرنے کے بعد ملا جائے ورنہ وہ تو ملنے والے کے لئے مستقل عذاب بن سکتے ہیں۔
میں اب میراجی کے متعلق جتنا جتنا پڑھتا جاتا ہوں، اتنا ہی اپنے کو خوش قسمت سمجھتا جاتا ہوں کہ میں اُن سے نہیں ملا تھا۔ ورنہ ایک ایسے شخص سے کیونکر نباہ کر سکتا تھا جس کی زندگی کچھ عجیب کٹھ کھجوروں کی سی تھی کہ اب بھی ان کو تصور میں لاتے ہی تمام جسم میں کچھ کھجلی سی پیدا ہو جاتی ہے۔
جب میں میراجی کے متعلق اپنے منتشر تصورات کو یکجا کرتا ہوں تو میرے سامنے ایک اونٹ کی سی شکل بن جاتی ہے۔ جس سے میں حیرت کے ساتھ پوچھتا ہوں اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ ان کو اُردو سے عشق تھا لہٰذا انگریزی فلمیں دیکھتے تھے۔ اور چونکہ وہ انگریزی فلمیں دیکھتے تھے لہٰذا ایک بنگالن کے عاشق تھے۔ شعری اصطلاح میں اس صنعت کو شتر گربہ کہتے ہیں اور اگر شعری اصطلاح سے کام نہ لیا جائے

www.taemeernews.com

تواس کا نام اونٹ بکری آگرہ ہے۔ ان کی شاعرانہ صلاحیت پر ایمان نہ لانا میرے مذہب میں کفر ہے اور خواہ باقی تمام شاعر مجھ پر ہنسنے کا دعویٰ کر دیں مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میراجی جتنے بڑے شاعر تھے اگر اتنا ہی چھوٹا ان کا ماحول نہ ہوتا تو وہ اور بھی بڑے ثابت ہوتے۔ مگر شاعری کے علاوہ جب ان کے دوسرے حالات پر غور کرتا ہوں تو بس غور کرتا ہی رہ جاتا ہوں بلکہ اکثر تو معلوم نہیں کیوں توبہ کرنے لگتا ہوں۔

میراجی کو میں نے بعض مقرب دوستوں کے ذریعے ان کے مرنے کے بعد جانا۔ ان دوستوں میں بڑے بڑے معقول لوگ تھے۔ مثلاً ن م راشد۔ محمود نظامی اور اختلاق دہلوی وغیرہ۔ اختلاق بیچارے تو خیر کسی کو بھی برا کہتے ہی نہیں ان کا نام ان کی فطرت بن کر ان پر چھا گیا ہے۔ مگر یہ ن م راشد اور محمود نظامی تو بڑے منہ پھٹ لوگوں میں سے ہیں۔ اپنی قسم کے پورے حلقۂ اربابِ ذوق ہیں کہ منہ در منہ ایسی تنقید کرتے ہیں کہ آدمی چکرا کر رہ جائے مگر ان لوگوں کو بھی میں نے اس وقت میراجی کا مداح پایا ہے جب ان کو نہ آملیٹ بننے کا خطرہ تھا نہ میراجی کے ٹوٹتے ہوئے دل کے کچھ اور ٹوٹنے کا۔ زندگی بھر میراجی کو اگر کسی خطرے کی وجہ سے برا نہ کہہ سکتے تھے تو مرنے کے بعد تو کہہ ہی سکتے تھے کہ خس کم جہاں پاک مگر میں نے ان کو بھی میراجی کے انتقال پر کچھ اس قسم کا جوار لی پایا جو ایک ہی داؤں پر ساری پونجی لگا کر ہار گیا ہو۔ میراجی کو وہ عجیب الخلقت کہتے تھے مگر پھر بھی پیار کرتے تھے۔ میراجی ان کو آملیٹ بنا چکے تھے۔ مگر وہ پھر بھی میراجی کے لئے اشکبار تھے اور میراجی کے جس وجود سے

www.taemeernews.com

اُن کو اکتانا چاہیے تھا اُسی کی کمی ان کے لئے ایک ایسا خلا پیدا کئے ہوئے تھی جس کو کبھی پُر نہ کیا جائے۔

میں نے جب سب سے پہلی مرتبہ میراجی کی تصویر دیکھی تو بے ساختہ ہنسی آگئی اور اب تک سمجھ میں نہیں آیا ہے کہ بجائے غصہ آنے کے یہ ہنسی کیوں آئی تھی اور میں غور کرتا ہوں کہ اگر بجائے تصویر کے میں خدانخواستہ خود میراجی کو دیکھتا تو کیا اسی بدتمیزی کے ساتھ ان کو دیکھتے ہی ہنس دیتا۔ صاحبان کوئی تعجب نہیں کہ میں واقعی ہنس دیتا۔ بھلا غور تو کیجئے مجھ سا ان کے گلے میں پڑی ہوئی وہ مالائیں کیسے دیکھی جاتیں۔ ان کے وہ لمبے لمبے بال کیسے دیکھتا اور ان کی وہ مکڑ نما شخصیت مجھ سے کیسے برداشت ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ پھر نہ حضرت میرا بھی آملیٹ بناتے یہ آملیٹ بنانے کی ترکیب ان کے مقربین ہی سے مجھ کو معلوم ہوئی ہے کہ میراجی جس سے ناراض ہو جاتے تھے اُس کو کسی نہ کسی طرح گھیر کر کسی محفل ساقی میں لے جاتے تھے اور پھر پینے کے بعد نہایت خلوص کے ساتھ اس کی مرمت شروع کرتے تھے اور رفتہ رفتہ یہ خلوص تشدد اختیار کر کے انتقام بن جاتا تھا اور اُس بیچارے کی وہ گت بنتی تھی کہ جسم بھر میں ضربات شدید و ضربات خفیف کا ایک جال سا پیدا ہو جاتا تھا۔ کہیں گومڑے پڑے ہوئے ہیں تو کہیں نیل۔ کہیں جلد پھٹ کر خون بہہ رہا ہے تو کہیں ہڈی کی چوٹ آئی ہے۔ مختصر یہ کہ مضروب کچھ ایسا معلوم ہوتا گویا کسی بلوے سے جان بچا کر تو آگیا ہے مگر جسم اُس کی سخت جانی کا گواہ ہے۔ اس کے بعد میراجی خود ہی اُس کی تیمارداری فرماتے تھے اور ہومیو پیتھک طریقہ پر علاج کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

کچھ بھی ہی مگر مجھے یقین ہے کہ میرا آملیٹ ان کے ہاتھوں ضرور بنتا
میں ان کے ہاتھ میں مداریوں والے لوہے کے گولے دیکھ کر کیونکر ضبط
کر سکتا تھا۔ میں ان کو اپنی مالا پر میرا میرا جپتے ہوئے اور سادھوؤں
کی طرح گیان دھیان میں بیٹھا ہوا دیکھ کر کیونکر چپ رہ سکتا تھا۔ کیا آپ
کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ایسا عجیب الخلقت انسان گرمیوں میں جاڑے
کے کپڑے پہنے ہوئے ہاتھ میں مداریوں کے گولے لئے گلے میں موٹے
موٹے دانوں کی مالائیں ڈالے۔ لمبے لمبے بال الجھائے بیٹھا ہوا میرا بائی
کے بھجن گایا کرتا اور میں اتنا بے وقوف ہو جاتا کہ ہنستا بھی نہیں یہ میرے لئے
ناممکن تھا اور چونکہ میں اس قسم کے موقعوں پر ضبط نہ کر سکتا تھا۔
لہٰذا میرا آملیٹ بننا برحق تھا۔ وہ تو کہیئے خیریت گزری کہ میں ان سے
ملا ہی نہیں۔

وہ شخص جو شنا راللہ بن کر پیدا ہوا' اور میراجی بن کر مرا۔ وہ مسلمان
جو HINDU MYTHOLOGY کا دیوانہ تھا وہ شاعر جس کو مذہبیات جنسیات
اور نفسیات کے مطالعہ کا جنون تھا۔ وہ کنوارا جو میراسین پر مر کر زندہ رہا
اور پھر دلی میں باؤلی بیگم اور بلی خانم کے عشق کا دم بھرتا رہا مگر کسی کا
شرمندۂ احسان نہ ہوا۔ وہ شرابی جس کو خود شراب پیئے جا رہی تھی۔ وہ
وجدانی جو تخلیہ میں قرآنِ پاک سنکر روتا اور دم تحریر بغیر دیوناگری میں
اوم لکھے ہوئے کچھ نہ لکھ سکتا۔ ذرا غور تو کیجئے میری سمجھ میں کیونکر آسکتا
تھا۔ اس قسم کی شخصیتیں سمجھنے سمجھانے کے لئے ہوتی ہی کب ہیں ان پر غور کیجئے
تو عقل کا زیاں خود نہ کیجئے تو ذہنی فالج کا خطرہ۔

مجھ کو میراجی کے کھینچنے میں اخلاق کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ وہی اخلاق

www.taemeernews.com

جن کے نام میراجی نے اپنے گیتوں کا مجموعہ گیت ہی گیت منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے "اخلاق احمد کے نام جسے ان گیتوں کے ماخذ معلوم ہیں"
شروع شروع میں اخلاق اس کثرت سے میراجی کا ذکر خواہ مخواہ کیا کرتے تھے کہ بعض اوقات میں الجھ جایا کرتا تھا اور کبھی کبھی میرا دل چاہتا تھا کہ ان حضرت کو بھی میراجی کے پاس کیوں نہ پہنچا دیا جائے پھر میں نے دیکھا کہ مجھ کو بعض اوقات اخلاق احمد میں میراجی کی روح بولتی نظر آنے لگی اور میں اخلاق سے ڈرنے لگا۔ یہاں تک کہ جب ایک مرتبہ اخلاق مجھ کو اپنے گھر لے گئے جو آبادی سے دور اچھرے کے اس پار جہاں اس ترقی یافتہ دنیا کے تمام آثار ختم ہو جاتے ہیں۔ انسانوں میں سے صرف اخلاق وہاں پہنچ سکے ہیں۔ وہ بھی اپنی انسانیت اسی طرف چھوڑ کر۔ جنگل بیابان۔ گہرے گہرے کھڈ۔ بھیانک خندق۔ خوفناک کھائیاں جھاڑ جھنکاڑ اور ان سب میں گھرا ہوا صرف ایک اکلوتا گھر۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ اب یہاں لاکر اخلاق ایک دم لمبے لمبے بال لگائیں گے۔ مالائیں پہن لیں گے لوہے کے گولے ہاتھ میں لے لیں گے اور یہ کہہ کر مجھ کو دم بخود کر دیں گے کہ میں ہی دراصل میراجی ہوں، انتظاماً مر گیا ہوں مگر اخلاقاً زندہ ہوں اور اگر میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو میرا آلیٹ بنا ڈالیں گے۔ مگر میرا یہ اندیشہ اس دن غلط نکلا۔ پھر بھی اخلاق کی طرف سے بہت دن تک اطمینان نہیں ہوا البتہ یہ ضرور ہوا کہ اخلاق کی اس مسلسل تبلیغ نے مجھ کو میراجی کی طرف واقعی متوجہ کر دیا۔ میں نے ان کا لٹریچر پڑھا۔ اور ہر چند کہ اپنی ذاتی کور ذوقی کی وجہ سے مجھ کو آزاد قسم کی شاعری سے نہایت گنوار قسم کی الجھن سی ہوتی ہے اور میری اس الجھن پر ن۔م راشد کو مجھ پر اس طرح ترس آتا ہے جیسے کسی یتیم پر کسی مردِ مومن کو آنا چاہیے۔

www.taemeernews.com

مگر اس یتیم العقلی کے باوجود مجھ کو میراجی کے کلام میں ایک لذت سی محسوس ہونے لگی اور اب میں اور بھی زیادہ ڈرا کہ کہیں میرا انجام یہ تو نہ ہوگا کہ میں ترقی پسندین کر مروں اور بلینک ورس بن کر جیوں مگر تجربہ سے ثابت یہ ہوا کہ میراجی اپنی خصوصیات میں ڈوبنے کے بعد اب دوسرے شناوروں کے لئے سد سکندر بھی بنے ہوئے ہیں۔ اب میں ان کی شاعرانہ عظمت کا دل سے معترف ہوں۔ ان کی وجدان کی گہرائیوں کو بھی پا چکا ہوں۔ اخلاق سے ان کے تذکرے اب خود چھیڑ چھیڑ کر سنتا ہوں۔ ان کے گیت بھی گنگنا لیتا ہوں جے جے ونتی میں نہ سہی میاں کی ٹوڈی میں سہی۔ اور رفتہ رفتہ میراجی سے اس قدر قریب آ چکا ہوں کہ اکثر سوچا کرتا ہوں کہ میراجی اگر زندہ رہتے تو کیا مضائقہ تھا مگر پھر میرا دل جواب دیتا ہے کہ مر گئے ہیں تو بھی کیا مضائقہ ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی اور موت میں فرق ہی کب ہوتا ہے وہ اب بھی زندہ ہیں اخلاق کی صورت میں زندہ ہیں۔ ن۔م راشد کی صورت میں زندہ ہیں۔ صلاح الدین کی صورت میں زندہ ہیں۔ قیوم کی صورت میں زندہ ہیں بلکہ میری صورت میں زندہ ہیں ٭

www.taemeernews.com

اپنے مضامین اپنی نظر میں

اپنے مضامین کو میں نے مختلف حیثیتوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مثلاً فرمائشی، فہمائشی، نمائشی، معاشی اور پیدائشی مضامین ان میں سے ہر قسم ایسی ہے کہ جب تک میں خود اس پر روشنی نہ ڈالوں اس کی حیثیت کسی ایسے ڈاکٹر کے نسخہ کی رہے گی۔ جو دوا کا نام لکھنے کی بجائے دوا کا نمبر لکھا کرتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ میں اپنی اصطلاحات کا مفہوم خود بیان کروں۔

فرمائشی مضامین سے میری مراد ان مضامین سے ہے۔ جو کبھی عنوان دے کر کبھی عنوان کے ساتھ ہی موضوع بھی دے کر اور بعض اوقات مضمون کا نہایت تفصیلی خاکہ دے کر لکھوائے جاتے ہیں۔ کہ یہ مضمون پورا اس طرح اور اس قسم کا لکھ دیجئے۔ گویا مضمون تو ہر لکھا لکھایا ہوتا ہے۔ ضرورت صرف یہ ہوتی ہے کہ اس حماقت کو میں کس طرح قبول کر کے اس مضمون کو اپنا نام دے دوں۔ پھر خواہ خودکشی ہی کیوں نہ کرلوں۔ اب مثلاً میں نے ایک مضمون لکھا سودیشی ریل جو کسی رسالے میں چھپ گیا۔ اور اس پر نظر پڑ گئی کسی اور رسالے کے ایڈیٹر صاحب کی اب یا تو ان کا نہایت تفصیلی خط آئے گا یا اگر مقامی قصبہ ہوا تو وہ خود نہایت تفصیلی طور پر تشریف

www.taemeernews.com

لے آئیں گے کہ صاحب ایسا ہی مضمون آپ مجھ کو بھی لکھ دیں۔ مثلاً دیکھئے نا کتنا اچھا موضوع ہے۔ سودیشی ڈاک خانہ۔ اس مضمون کو اگر آپ اس طرح لکھیں کہ مثلاً آپ کوئی پارسل لے کر ڈاک خانے گئے ہیں۔ اور وہاں پارسل کلرک آپ سے کہہ رہا ہے کہ وزن تو اس کا اتنا ہے مگر کہئے تو رعایت کر دیں اور جب آپ اس پارسل کے لئے ٹکٹ خریدتے ہیں تو اسٹیمپ کلرک مول تول کرتا ہے۔ اور پھر بمشکل تمام آپ کو بارہ آنے کا ٹکٹ سات آنے میں مل جاتا ہے مختصر یہ کہ بڑی کنجائش ہے۔ اس موضوع میں عرض کیا ان سے کہ "بندہ نواز، آخر آپ خود ہی کیوں نہیں لکھ لیتے۔" اپنے نزدیک وہ اس کو بھی لطیفہ سمجھ کر پہلے تو خوب ہنسے پھر جب اس لطیفے سے لطف اندوز ہو چکے تو بڑی کسر نفسی سے فرمایا کہ میں لکھ سکتا تو آپ سے کیوں عرض کرتا۔ اب ان کو سمجھانا پڑا کہ وہ دراصل لکھ چکے ہیں ان کو سمجھاتے ہوئے عرض کیا۔ دیکھئے نا جو کچھ آپ نے تجویز کی صورت میں اس مضمون کا خاکہ بتایا ہے۔ وہی دراصل مضمون ہے۔ بس اب اس کو لکھ دیجئے۔ میں اس لئے قاصر ہوں۔ کہ میں اب آخر اس میں کیا لکھوں گا۔ مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ اور یہاں مصیبت یہ کہ گھر اپنا اخلاق کے حدود سے بھی نہ گذر سکتے تھے۔ مگر جب عاجز ہی آ گئے۔ تو کہنا پڑا۔ حضور والا آپ تو مضمون کا موضوع اس طرح لے کر آ گئے ہیں۔ جیسے کسی درزی کے یہاں کوئی شخص اپنا کپڑا اور اپنی جامت لے کر پہنچ جاتا ہے۔ کہ یہ کپڑا اس جسم کے لئے سی دو۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ پہلے گھر تشریف لے جائیے۔ اور اطمینان سے بیٹھ کر درزی اور انشا پرداز میں جو لطیف سا فرق ہے اس کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے۔

www.taemeernews.com

اس فرمائشی مضمون سے بظاہر یوں نجات مل گئی مگر دوسرے دن معلوم ہوا۔ اس نے فہمائشی صورت اختیار کرلی ہے۔ یعنی حضرت ایک ایسے بزرگ محترم کے خط لے کر پہنچ گئے جن کے اختیار میں اور کچھ نہ سہی تو یہ تو تھا ہی کہ اگر ناراض ہو جائیں تو والد صاحب کو لکھ بھیجیں کہ آپ کے صاحبزادے سخت نالائق ہیں اور ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ میں اپنی لڑکی کی قسمت ان سے جوڑوں حالانکہ بظاہر بڑے پیار سے خط لکھا گیا تھا۔ اور بڑی شفقت برس رہی تھی۔ اس خط کے ہر دائرے سے اور ہر مرکز سے۔ مگر اس محبت اور اس شفقت کا نہایت ہولناک انجام بھی تو نظر کے سامنے تھا۔ کہ اب انکار کر کے دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ ہوتا کیا؟ ہوا یہی کہ ان حضرات کے لکھائے ہوئے مضمون پر گویا اپنا نام لکھ دیا۔ اور اب تمام دنیا سے جواب دہی کرتے پھر رہے ہیں کہ آخر یہ کیا مار پڑ رہی تھی۔ کہ سودیشی ریل کے بعد یہ حماقت کر بیٹھے۔ ظاہر ہے۔ کہ ہر ایک کو تو سمجھایا جا نہیں سکتا کہ یہ حماقت کن راستوں سے گزر کر اپنے پاس آئی تھی۔ اور وہ کیا اسباب تھے کہ اس کو اوڑھنا ہی پڑا۔

اس قسم کے فہمائشی مضامین اکثر لکھنا پڑتے ہیں۔ اس لئے کہ عزت آبرو بڑی چیز ہے۔ اور نہ لکھنے کی صورت میں یہی بڑی خطرے میں پڑ جاتی ہے تعلقات کے انقطاع کی دھمکی دی جاتی ہے۔ دوستی کے دشمنی میں تبدیل ہو جانے کا سامنے لاکر پیش کیا جاتا ہے۔ اپنا نام اگر نہ اچھلوائیے تو ٹوپی اچھلوانے کی اجازت دیجئے، مگر اس فہمائشی سلسلہ کی سب سے خطرناک قسم حال ہی میں ایک دوست نے ایجاد کی ہے۔ کہ پہلے تو وہ نہایت شرافت اور انسانیت کے ساتھ فرمائشی خطوط لکھتے رہے مگر جب کامیاب نہ ہوئے تو ایک فہمائشی خط اس مضمون کا لکھ بھیجا کہ حضرت اگر

www.taemeernews.com

آپ نے اب بھی مضمون نہ بھیجا تو میں ایک ایسا مضمون لکھ کر آپ کے نام سے چھاپ دوں گا۔ جس میں وہ تمام کمزوریاں ہوں گی۔ جن کے آپ متحمل نہ ہو سکیں گے۔ کوشش کروں گا کہ املا کی بھی غلطیاں ہوں۔ انشا کی بھی ہوں مذاق اور بد مذاقی کا امتیاز اٹھ جائے۔ اور جس کو آپ مزاحِ لطیف کہتے ہیں۔ وہ پھکڑپن بن کر آپ کے نام سے اس طرح منسوب ہو جائے کہ آپ کو مزاح نگار سمجھنے والے پھکڑ نگار تسلیم کر کے فاتحہ پڑھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس فہمائش کے بعد کچھ نہ لکھنا خواہ مخواہ اپنے کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ لہٰذا لکھا ان کے لئے اور جو کچھ لکھا اُس کو آج کل فہمائشی مضامین کے ذیل میں لکھے ہوئے ہیں۔

نمائشی مضامین سے مراد اُن مضامین سے ہے۔ جو رسائل اور اخبارات کے نمائشی نمبروں کے لئے لکھنا پڑتے ہیں۔ یہ مضامین نا بینائی طور پر فرمائشی اور رد بھری طور پر معاشی ہوتے ہیں۔ یعنی ان کی فرمائش بھی کی جاتی ہے اور اگر وہ رسالہ یا اخبار یہ خاص نمبر نکالنے کے سلسلے میں جائز ہو جائے، تو کچھ نہ کچھ معاوضہ بھی مل جاتا ہے۔ جب کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ ہمارے رسائل اور اخبارات عام نمبر نکالنے سے عموماً کترا تے ہیں۔ اور خاص نمبر نکالنے کے بہانے ڈھونڈھا کرتے ہیں۔ پہلے یہ جریدے اپنے سالانہ نمبر نکالا کرتے تھے۔ یا ایسا ہی کوئی اولوالعزم رسالہ ہوا۔ تو اس نے اپنا سالگرہ نمبر نکالنے کے علاوہ ایک نصف سالگرہ نمبر بھی نکال دیا۔ مگر اب عام نمبر خاص موقعوں پر نکلتے ہیں۔ خاص نمبر تو نکلتے ہی رہتے ہیں مثلاً اقبال نمبر۔ آزادی نمبر۔ قائد اعظم نمبر۔ عید نمبر۔ بقر عید نمبر۔ میلاد نمبر۔ اردو نمبر۔ اور خدا جانے کون کون نمبر۔ ان نمبروں کے لئے اگر آدمی

www.taemeernews.com

لکھنے بیٹھے ۔ تو زندگی کی مہلتیں اس کو نہایت محسوس ہوں ۔ مگر پھر بھی لکھنا ہی پڑتا ہے ۔ سب اخباروں اور سب رسالوں کے لئے تو خیر ناممکن ہے لکھنا مگر چند کے لئے تو لکھنا ہی پڑتا ہے ۔ بات یہ ہے ۔ کہ اخبارات اور رسائل کی تعداد حد درد شمار سے باہر ہے ۔ اور یہ سب بے شمار اخبار اور رسالے یہ بے شمار خاص نمبر نکالتے ہی چلے جاتے ہیں ۔ ایک مرتبہ تین عزیز قریب ایک قسم کے رسالے یعنی اقبال نمبر نکال رہے تھے اس لئے تینوں کے لئے مضامین لکھنا از بس ضروری تھا ۔ ایسا ضروری کہ زندگی اور موت کی قسم کا سوال آپڑا تھا یعنی لکھیں تو خود مریں اور نہ لکھیں تو یقین یہ دلایا گیا تھا ۔ کہ لکھوانے والے خودکشی کریں گے لہٰذا ایک مضمون لکھا مرکب کر ۔ اب سوال یہ تھا کہ دوسرا اور تیسرا کیونکر لکھا جائے ۔ آخر ایک ترکیب ذہن میں آئی کہ اس مضمون کا درمیانی حصہ اگر پہلے لکھ دیا جائے ۔ آخری حصہ درمیان میں لکھ دیا جائے اور ابتدائی حصہ آخر میں آجائے ۔ تو معلوم ہوا کہ جیسے نیا مضمون ہے ۔ لیجئے دوسرا مضمون بھی ہو گیا ۔ اب اسی فارمولا سے تیسرا مضمون تیار کر لیا ۔ کہ تیسرے مضمون میں آخری حصہ شروع میں تھا ۔ درمیانی حصہ آخر میں تھا اور آخری حصہ کی جگہ پہلا حصہ تھا ۔ یہ تینوں مضامین تین مختلف اقبال نمبروں میں چھپ گئے ۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوا ۔ ایک بہت بڑے نقاد قسم کے بزرگ نے صرف یہ لکھا کہ شوکت تھانوی کے یہاں خیالات و افکار کی تکرار اور تواتر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے ۔

مثلاً ان کے تین مضامین تین مختلف رسائل میں اقبال کے متعلق نکلے ہیں اور وہ تینوں معلوم ہوتا ہے ایک ہی سانچے میں ڈھالے گئے ہیں ۔ کس قدر دور کی کوڑی لاتے ہیں یہ بزرگ ، مگر ایمان کی کہیئے کہ خود ان سے بھی زیادہ دور

www.taemeernews.com

کی کوڑی ہم لائے تھے یا نہیں۔

اب ذرا معاشی مضامین پر غور کر لیجئے۔ یہ وہ مضامین ہیں جن کو درزی کا ٹھیکہ کہنا چاہیئے۔ یہ میرے مضامین کی بڑی زرخیز قسم ہے اور یہاں قائل ہونا پڑتا ہے کہ یہ ادب برائے ادب قسم کی باتیں محض ڈھکوسلے ہیں اصل چیز ہے ادب برائے چک اور چک برائے بنک یہ مضامین وہ بلند حوصلہ رسائل اور اخبارات لکھواتے ہیں جو خواہ فرمائشی رنگ اختیار کریں خواہ فہمائشی صورت ان کو ہر قسم کا حق پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ وہ معاوضہ دیتے ہیں نہ وہ کوئی دھمکی لاتے ہیں نہ سفارشی خطوط نہ عزیزداری کا حوالہ دیتے ہیں نہ ہم وطنی کا حق جتاتے ہیں۔ بلکہ صاف بات یہ کرتے ہیں کہ

کیا خوب سودا نقد ہے۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ اب اگر ان مضامین کو آپ ادبی کسوٹی پر جانچیں تو یہ آپ کی زیادتی ہوگی۔ جو مضامین اس معاملت پر لکھے جائیں کہ جتنا ہی گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا پاؤ گے۔ ان مضامین کو ادبی معیار پر جانچنا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ ان مضامین کے لکھتے وقت کیسے کیسے راحتِ جان قسم کے خیالات کی آماجگاہ ہوتا ہے ذہن۔ قلم لکھ رہا ہے مضمون، اور دماغ سوچ رہا ہے کہ جب اُس کا روپیہ ملے گا تو ایک تو آئے گا ذرا فیشن ایبل قسم کا سگریٹ کیس اور اس پر بنوائیں گے اپنا مونوگرام تاکہ جب کسی کے سامنے سگریٹ کیس نکال کر پیش کریں تو وہ بھی مرعوب ہو جائے اس قسم کی چیزیں آدمی کو خواہ مخواہ بھاری بھرکم بنا دیتی ہیں۔ سگریٹ چاہے ایک ہی ہو مگر سگریٹ کیس اگر شاندار ہے تو رعب پڑے بغیر نہیں رہتا۔ قلم چل رہا ہے اور دماغ میں ایک دوسرے خیال نے انگڑائی لی کہ سگریٹ کیس زیادہ

www.taemeernews.com

ضروری ہے گھڑی۔ دوسرے سے وقت پوچھنا بڑے شرم کی بات ہے یہ الہ تو صبح اوقات خود اپنے پاس ہونا چاہیئے۔ زیور کا زیور اور پھر وقت ایک خود بھی کام کی چیز ہے۔ قلم چل رہا ہے۔ اور دماغ میں ایک تیسرا خیال آیا کہ اس مضمون کا معاوضہ ملتے ہی سب سے پہلے تو دھوبی کا حساب چکانا چاہیئے۔ ورنہ یہ ساری سفید پوشی کسی دن دھری رہ جائے گی۔ اتنے بڑے ادیب سے نہایت بے ادبی کے ساتھ تقاضے کرنے لگتا ہے۔ کسی دن کپڑے ہی نہ مار لے۔ ان ہی خیالات میں مضمون مکمل ہو جاتا ہے۔ اور معاوضہ مل جاتا ہے۔ مگر قیامت یہ ہے۔ کہ ان مضامین کو بھی لوگ تنقیدی نظر سے پڑھتے ہیں۔ اب کیسے سمجھایا جائے کہ صاحب! اس قسم کی تنقید آخر آپ ترکاریوں پر کیوں نہیں کرتے جو بازار میں بکنے کے لئے ڈھیر ہوتی ہے۔ اس قسم کی تنقید آخر آپ کسی کباڑیئے کے نیلامی فرنیچر پر کیوں نہیں کرتے۔ آخر یہ بھی تو بکاؤ مال ہے۔

فرمائشی، فہمائشی، نمائشی اور معاشی کے علاوہ مضامین کی ایک اور بھی قسم ہے یعنی آزمائشی اس قسم کا میں نے اس لئے ذکر نہیں کیا ہے کہ ان مضامین سے میں ہمیشہ بھاگا ہوں اور اب تک خدا نے مجھ کو مضامین کی اس قسم سے بچایا ہے۔ یہ وہ مقابلے کے مضامین ہوتے ہیں۔ جن کے اعلان کبھی سرکاری طور پر اور کبھی نجی طور پر اخبارات میں ہوتے ہیں کہ اس موضوع پر بہترین مضمون لکھنے والے کو پہلا انعام اتنا اور دوسرا اتنا اور تیسرا اتنا دیا جائے گا۔ اور یہ کچھ نہیں لکھا جاتا کہ چوتھے نمبر پر آنے والے کو اور اس سے بھی بہترین پوزیشن حاصل کرنے والے

www.taemeernews.com

والوں کو کیا کیا سزائیں دی جائیں گی۔ پس اعلان یہ ہوتا ہے کہ مضمون آٹھ صفحات کا ہو خواہ وہ چاول پر قل ھو اللہ لکھنے والے ہوں یا آپ سائن بورڈ کے خط میں، وہ آٹھ صفحے بھر دیں فیصلہ کرنے والوں کی کمیٹی کا اعلان ہوتا ہے آخری تاریخ کا

پھر دوسری احتیاطیں، کہ کاغذ کے صرف ایک طرف لکھئے۔ بائیں ہاتھ میں قلم پکڑ کر نہ لکھئے اور اگر آپ کا بایاں ہاتھ داہنا ہو۔ تو داہنے ہاتھ سے جو آپ کا بایاں ہوگا قطعی پرہیز کریں۔ میں اس جھگڑے میں کبھی نہیں پڑا۔ اور یہ بھی اتفاق ہے کہ انعام کی بڑی سے بڑی رقم بھی مجھ کو اس طرف متوجہ نہ کر سکی۔ اس لئے کہ میرا ہاتھ دیکھ کر فراست الید کا ایک ماہر یہ بات پہلے ہی بتا چکا ہے کہ تم کو کبھی لاٹری، کسی مسمّہ اور اس قسم کے کسی مقابلے کا انعام کبھی نہ ملے گا۔ رہ گئی اب ایک آخری قسم یعنی پیدائشی مضامین، یہ مضامین وہ ہیں جن کے متعلق مرزا غالب نے ایک دن مجھ سے کہا تھا۔ کہ ؎

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

یہ مضامین دراصل میں خود اپنے لئے لکھتا ہوں اور آپ سے زیادہ خود ہی خوش ہوتا ہوں، خود لکھتا ہوں اور خود ہی اپنے کو سناتا ہوں۔ خود ہی اپنے کو داد دیتا ہوں۔ اور خود ہی کسر نفسی سے اس داد کو وصول کرتا ہوں۔ کہ میں کس قابل ہوں۔ مگر اس قسم کے مضامین بہت کم ہوتے ہیں۔ لوگ میرے مضمون سودیشی ریل کو لے اڑے اور میں محض اس خیال سے چپ ہو رہا کہ ٹھیس نہ لگ جائے۔ اب اپنا مضمون شاہین بچے مجھ کو سودیشی ریل سے کہیں زیادہ پسند ہے اس لئے کہ اطالیات کو لکھ کر مجھ کو وہ مسرت

www.taemeernews.com

اور اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ جو خوشی شاہین بچے لکھ کر حاصل ہوئی۔ اسی طرح بیشمار ایسے مضامین ہیں جن کو دوسرے پسند کرتے مگر میں ان کو اتنا پسند نہیں کرتا۔

اب اگر مجھ کو غم روزگار اور فکر معاش دونوں سے آزاد کر کے خود اپنے مضامین پر نظر ڈالنے کا موقع دیا جائے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت ہی کم سخت جان مضامین ایسے نکلیں گے جن کو میں باقی چھوڑ دوں باقی سب ردی کی ٹوکری ہی میں نظر آئیں گے۔ لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ مجھ کو اس طرف متوجہ نہ کیجئے۔ اور میرے مضامین کو میری نظر بد سے بچائیے ؃

www.taemeernews.com

ہم زُلف بکرا

مقروض پر قربانی فرض نہیں ہے۔
مگر خود مقروض کی قربانی فرائض میں داخل ہو جاتی ہے اگر اس کے متعاقبین قصابی پر کمر باندھ لیں۔
مگر یہ قصہ کچھ بیچ ادھر سے شروع ہو گیا۔ مناسب یہ ہوگا کہ اگر یہ بپتا شروع سے سنائی جائے۔ بات یہ ہے کہ، عید ہو یا بقر عید میں فطرتاً تہواروں سے کچھ بھاگتا ہی ہوں۔ اور اس بھاگنے کی وجہ غالباً وہی مالی پریشانی ہے جس میں آئے روز بے قاعدہ مبتلا تو نہ ہونا چاہیئے مگر جب قسمت میں ہی یہ پریشانی لکھی ہو تو قسمت کے لکھے کو مٹانا تو ظاہر ہے کہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں، اور جہاں تک میرا خیال ہے سچ ہی کہتے ہیں کہ بندۂ خدا تو اچھا خاصا کماتا ہے، تنخواہ جتنی نہ ہونا چاہیئے تھی اتنی ہے، آمدنی کے وسائل کچھ اور بھی ہیں، خوش پوش بھی ہے اور خوش خوراک بھی۔ کبھی کبھی تو ایسی دریا دلی دکھاتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں، مگر اس سے زیادہ دنگ اس وقت ہوتے ہیں جب پتہ چلتا ہے کہ خیر سے بوٹی بوٹی قرض میں بندھی ہوئی ہے۔ اب ان حضرت کو کیا سمجھایا جائے کہ یہی دریا دلی تو ہے جس نے ڈبو رکھا ہے اور سچ پوچھئے تو اس میں بھی اپنا اتنا قصور نہیں ہے جتنا سمجھنے والے سمجھتے ہیں، کاش ان کو معلوم ہوتا کہ ایک غیرت دار

www.taemeernews.com

آدمی ڈھول لے کر اپنا ہر راز نہیں پیٹ سکتا۔ مگر آخر وہ وقت بھی آتا ہے جب سب کچھ اگل دینا پڑتا ہے۔ اسی قسم کا یہ وقت بھی ہے ۔ ع

ہم نوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

صاحب یہ افسانہ شروع ہوتا ہے میری شادی سے بلکہ ٹھہریئے میری شادی سے بھی نہیں میری بیوی کی بڑی ہمشیرہ کی شادی سے، جو میری شادی سے ایک سال قبل کا واقعہ ہے۔ میری بیوی کی بڑی بہن کی شادی ایک ایسے صاحب سے ہوئی ہے جن کے والد مرحوم میرے والد مرحوم سے زیادہ فرض شناش تھے اور اپنے صاحبزادے کے متعلق ان کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ ان حضرت کو دنیا میں کوئی ٹکے کو بھی نہ پوچھے گا۔ لہٰذا وہ بے چارے عین اس وقت مر گئے جب بنک میں کافی روپیہ جمع ہو چکا تھا۔ ایک کوٹھی بھی بن چکی تھی۔ اور ایک آدھ مکان بھی خرید چکے تھے۔ برعکس اس کے میرے والد مرحوم نے بھی خدا کے فضل سے کمایا تو بہت اور جمع بھی بہت کچھ کیا مگر غلطی اُن سے صرف یہ ہو گئی کہ بروقت انتقال فرمانے کا خیال نہ رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ جمع کیا تھا وہ کچھ تو بیماری میں اپنے اوپر صرف کیا اور کچھ میری تعلیم پر، یہاں تک کہ ان کو خدا نے عمر میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ بنک کا سارا روپیہ خرچ ہو جانے کے بعد پہلے ایک مکان فروخت ہوا۔ پھر میری تعلیم کے آخری سال کی لاج رکھتے ہوئے دوسرا مکان نیلام پر چڑھا اور میرا غریب خانہ والد مرحوم کی علالت کی نذر ہو گیا اور قصہ مختصر اس طرح ہوا کہ یہ خاکسار نہ صرف یتیم رہ گیا بلکہ قطعاً بے سہارا بھی، نہ تو کہیئے کہ پڑھا لکھا کچھ کام آگیا۔ اور ایک سرکاری ملازمت ایسی مل گئی کہ خواہ مخواہ کا بھرم قائم ہو گیا۔ درشن تھوڑے ہی مگر نام بڑے ہو گئے۔ تنخواہ بھی معقول ملنے لگی اور آمار ایسے پیدا ہو گئے کہ شاید زمانہ کروٹ بدل رہا ہے مگر عین اسی

www.taemeernews.com

وقت قسمت مسکرا رہی تھی، اور مشیت کہہ رہی تھی کہ دیکھو تو یہی برخوردار تم کو کیسا چوپٹ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کچھ دوست ادھر سے دوڑے کچھ عزیز ادھر سے دوڑے اور نتیجہ اس دوڑ دھوپ کا یہی نکلا کہ سسرال میں ڈھولک کھنکی ۔ یعنی

ہریالا بریلی والا وہ تو انگن میں لالے لگائے

اور ادھر ہریالا ہے کہ اس سے مانگ اُس سے مانگ اپنے کو قرض سے پاٹتا چلا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ قاضی جی کی بلا سے ان کو کسی سے کیا غرض وہ تو آئے اور آدھی عربی آدھی اردو بول دو زندگیوں کا فیصلہ کر پہلے تو پلاؤ پر پل پڑے اور پھر پلاؤ کے ہاتھ ملاتے ہوئے چلتے بنے۔ اہل محفل میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے ہمدردی کی آدھی بات بھی کی ہو جو ہے مبارک باد دیتا ہے اور ہنستا ہے کہ چلو ایک چغد اور پھنسا یہ بھی کیا یاد کرے گا۔

قصہ کو کہاں تک طول دیا جائے کوئی دلچسپ بات ہو تو طول بھی ناگوار نہیں ہوتا۔ ٹریجڈی تو جس قدر مختصر ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ لہذا قصہ کوتاہ بیگم صاحبہ گھر کی مالکہ بن تشریف لے آئیں۔ ظاہر ہے کہ شروع شروع کے دن جو چوتھی چالوں کی پیار اور چاؤ چونچلوں کے گذارنے ہوتے تھے بیت گئے رفتہ رفتہ ان ہی بیگم صاحبہ سے پتہ چلا کہ ادعا قیمت نا اندیش شوہر نے مجھ سے شادی کرکے زندگی بھر کا عذاب اپنے سر لے لیا ہے۔ اب وہ عذاب تھی ۔ ان کی والہانہ محبت اور شوہر سے کورانہ عقیدت، شوہر کے فرشتوں کو بھی جن باتوں کا علم نہ تھا وہ اس کے متعلق بیگم صاحبہ کے میکے بھر میں مشہور تھیں۔ مثلاً کوٹھی بنانے کے لئے جو زمین بیگم صاحبہ کے اس خاکسار شوہر نے خرید رکھی ہے اُس کا علم خود اس خاکسار کو یکایک اس طرح ہوا۔ کہ ایک

www.taemeernews.com

کھانے پر جس میں سب ہی ضروری سسرالی عزیز موجود تھے اور سب سے زیادہ ضروری رکن یعنی بیگم صاحبہ کے بڑے بہنوئی بھی تشریف فرما تھے۔ خوشدامن صاحبہ نے اپنے اس خاکسار نئے نویلے داماد سے بڑی دلالت کے ساتھ فرمایا:۔

"اے میں نے کہا تا جدار دولہا کوٹھی کی زمین کا مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا تم نے"

چہرے پر سوالیہ نشان لٹکا کر اب جو میں نے نظر اٹھائی ہے تو بیگم چشم فسوں ساز میں عجیب تاکیدیں تھیں۔ اتنا تو میں ضرور سمجھ گیا کہ ان کا منشا یہ ہے کہ میں اس بات کو نباہ لے جاؤں لیکن یہ سمجھ میں نہ آ سکا کہ کیوں اور کس طرح مجبوراً کسر نفسی سے کام لے کر عرض کیا:۔

"وہ کوٹھی کیسی قابل ذکر بات تھی؟"

بیگم کے چہرے پر سکون اور بشاشت کے آثار دیکھ کر اندازہ ہوا کہ جواب ٹھیک ہی دیا ہے مگر عین اسی وقت ہم زلف صاحب نے مرغ کی ٹانگ بھنبھوڑتے ہوئے فرمایا "کس سڑک پر لی ہے زمین؟"

بیگم نے پھر اپنی چمکتی ہوئی خوبصورت آنکھوں سے گھورا۔ مطلب یہ تھا کہ بتا دو جلدی سے کسی سڑک کا نام۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ فوراً ہی ایک سڑک کا نام زبان پر آ گیا:۔

"جی ہاں وہ مال روڈ ہی سمجھ لیجئے"

بیگم نے اس بری طرح منہ بنایا کہ میرے ہاتھ سے نوالہ گرتے گرتے بچا غالباً جواب غلط ہو گیا تھا۔ چنانچہ خوشدامن صاحبہ نے ذرا آنکھیں گول کر کے فرمایا:۔

"مال روڈ؟ یہ تاج تو کہہ رہی تھی چوبرجی"

عرض کیا جی ہاں۔ وہ نہ تو بالکل مال روڈ ہے نہ دراصل چوبرجی ہے۔

www.taemeernews.com

اس کو کچھ مال روڈ سمجھیے کچھ چوبرجی۔"

ہم زلف صاحب نے فرمایا: "آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کچھ پرانی انارکلی کے قریب ہے گویا۔"

جلدی سے رفع شر کے لئے کہہ دیا "جی ہاں یہ آپ کا اندازہ درست ہے۔ بات یہ ہے کہ پرانی انارکلی بھی اس حصہ میں سمجھیے جہاں سے مال روڈ اور گویا چوبرجی کا فاصلہ یکساں رہ جاتا ہے۔

ہم زلف صاحب نے کہا "وہ میں سمجھ گیا۔ تھی یہ کس صاحب کی زمین؟"

بیگم نے پھر بڑی بیگانگت سے گھورا لہٰذا ہم نے جلدی سے کہہ دیا۔

"یہ تھی تو دراصل شیخ بشمبھر دیال صاحب کی مگر ——"

ہم زلف صاحب نے فیرنی کا چمچہ منہ کے قریب لا کر واپس کرتے ہوئے کہا "شیخ اور پھر بشمبھر دیال۔"

بیگم نے پیشانی سے پسینہ پونچھا مگر میں نے جلدی سے ہنس کر کہا "میں سمجھ گیا تھا کہ آپ کو اس نام پر حیرت ہوگی۔ یہ دراصل ایک نومسلم خاندان تھا۔ نام ان لوگوں نے نہیں بدلے صرف شیخ لگا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔

ہم زلف صاحب نے فیرنی کا ملتوی کیا ہوا چمچہ منہ میں رکھ لیا۔ بیگم کے چہرے پر بھی بشاشت آگئی کہ کیا حاضر جواب شوہر پایا ہے۔ اور میں نے جلدی سے فقرہ پورا کیا "جی تو یہ زمین دراصل تھی تو شیخ بشمبھر دیال صاحب کی مگر انہوں نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دے دی تھی لہٰذا میں نے ان کے شوہر سے خریدی ہے۔"

عین اسی وقت دسترخوان سے سب اٹھ گئے اور میں اس طرح اٹھا

جیسے امتحان کا پرچہ کرکے کوئی ایسا طالب علم اٹھتا ہے جس نے نقالی کی ہو اور پھر بھی یقین نہ ہو کہ نمبر ملیں گے یا نہیں، کھانے کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی ہیں اور ہم زلف صاحب مسلسل اپنی امارت کا پروپگنڈہ کرتے رہے کہ ارادہ ہے کہ ۸۵ء کا ماڈل خرید لوں اور موجودہ کار نکال دوں۔ فریجیڈیر صبح سے خراب تھا دن بھر بازاری برف کا پانی پیا ہے۔ سگریٹ یہ پی نہیں سکتا، موٹر میں ڈبہ ہے کسی سے منگا لیجئے بڑی بری عادت ہوتی ہے۔ مصری سگریٹ کی بھی کراچی جاتا ہے مگر ایئر کنڈیشن کوچ میں ایک ساتھ تین چار برتھ نہیں مل رہے ہیں۔ اور یکایک مخاطب ہو گئے اس طرف۔
"کیوں صاحب آپ دلوا سکتے ہیں برتھ" بیگم نے فوراً کہا "یہ تو اشارہ بھی کردیں تو مل جائیں، تمام بڑے بڑے افسران کے دوست ہیں۔"

ہم زلف صاحب نے فرمایا "بس تو پھر کیا ہے ارے بھئی دلواؤ نا برتھ۔"

عرض کیا: "ذرا مشکل ہے آج کل"

بیگم نے گھور کر کہا "کیوں مشکل کیا بات ہے۔"

عرض کیا: "آج کل ریلوے نے برتھ کنٹرول شروع کر دیا ہے۔"

بیگم خوش ہو گئیں باقی عورتیں جھینپ گئیں۔ ہم زلف صاحب نے ہنسنے کی کوشش فرمائی اور شکر ہے کہ اسی قصے پر سب اپنے اپنے گھر جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے گھر آکر سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ "بھلا یہ کوٹھی کی زمین کا کیا قصہ تھا، میں تو حیران ہی رہ گیا۔ یہ بات کیا تھی آخر"

بیگم نے نہایت بے پروائی سے کہا "خیر وہ نبھ گیا آپ نے جواب ٹھیک ہی دے دیئے میں تو گھبرائی کہ پھوٹا آج بھانڈا۔"

اور اب جو بیگم صاحبہ سے تفصیلی گفتگو اسی کوٹھی کی زمین کے متعلق ہوئی ہے

www.taemeernews.com

تو پتہ چلا کہ ان کے گھر میں نہایت سخت تقابل ہو رہا ہے دونوں دامادوں کا، بڑے داماد چونکہ دولت مند بھی ہیں اور شیخی خورے بھی لہٰذا ان کی وجہ سے میری غریب بیوی کا ناک میں دم ہے۔ وہ طرح طرح سے صرف اسی کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ سسرال والوں سے اعتراف کرالیں کہ وہ بہت ادیب ہیں اور یہ جو دوسرا داماد آیا ہے نہایت پھسپھسا ہے۔ بھلا کون بیوی یہ گوارا کر سکتی ہے کہ اس کا شوہر کسی سے مقابلہ میں کمتر ثابت ہو۔ لہٰذا ان بے چاری نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کر رکھا ہے۔ بے شمار بے سر و پا افسانے اپنے شوہر کے متعلق اپنے خاندان میں مشہور کر رکھے ہیں۔ ان ہی میں سے ایک افسانہ یہ کوٹھی کی زمین کے متعلق تھا۔ یہ تمام روداد سن کر عرض کیا "نیک بخت۔ اگر یہ جھوٹ بولنا ہی تھا تو کم سے کم مجھ کو تو بتا دیا ہوتا کہ تیار رہو جاؤ۔ اور اب بھی سویرا ہے جو باتیں اور بنا چکی ہو ان کے متعلق مجھے سمجھا دو۔"

بیگم نے آبدیدہ ہو کر کہا "آپ اپنا تبادلہ کہیں دور کرالیں۔ میں یہ دن رات کے تقابل برداشت نہیں کر سکتی۔"

لعنت ہے اس شوہر پر جو اپنی نئی نویلی دلہن کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو دیکھے اور اس کی دلدہی نہ کرے چنانچہ میں نے کہا "پاگل ہوئی ہو، تقابل میں تم ہی جیتو گی۔ تمہارا میاں پڑھا لکھا۔ وہ حضرت جاہل لٹھ مار، تمہارا میاں اتنی اچھی جگہ پر ملازم وہ ایک عام شہری جس کا نہ اثر نہ رسوخ۔"

بیگم نے کہا "دنیا یہ نہیں دیکھتی۔ دنیا چار پیسے ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ کے نمونے دیکھتی ہے۔ اب دیکھئے چار پانچ دن کے بعد عید ہے قدم قدم پر آپ کا اور ان کا مقابلہ ہو گا۔"

میں نے بیوی کو چمکارا "کوئی پرواہ نہیں ہر مقابلے میں تم جیتو گی۔"

www.taemeernews.com

چنانچہ وہ واقعی جیتیں اور اس طرح کہ جہاں اُن حضرت نے دس روپے صرف کئے وہاں اس خاکسار نے بیس گلائے۔ جس ملازم کو ان صاحب نے دو روپے کے پھل اور مٹھائیاں بھیجیں ادھر سے بیس پچیس روپے کی ڈالی گئی۔ اور واقعی تمام سسرال میں دھوم تھی اس خاکسار کی سیر چشمی اور دریا دلی کی۔ اور اب آگئی ہے بقرعید اور اطلاع موصول ہوئی ہے کہ اُن حضرت کے یہاں چالیس روپے کا بکرا آیا ہے قربانی کے لئے لہٰذا بیگم صاحبہ کا اصرار ہے کہ اگر تم اونٹ یا گائے نہیں کر سکتے تو بھی یا تو پچاس ساٹھ روپے کا دنبہ منگاؤ ورنہ انہوں نے ایک بکرا منگایا ہے تم دو کا انتظام کرو۔ اور یہاں یہ فکر ہے کہ پچھلی عید کے سلسلے میں جو قرض کا بار لادلیا تھا۔ اس کی موجودگی میں قربانی جائز بھی ہے یا نہیں مگر وہ جائز ہو یا نہ ہو۔ اپنی قربانی تو دینا ہی پڑے گی۔ اس لئے کہ بیگم کے تیور روز بروز قصابوں کے ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہ خاکسار اب جگالی کرنے لگا ہے۔

www.taemeernews.com

خان بہادر صاحب

جس دن صبح اٹھ کر کلمہ پڑھنا بھول جائیں، یا آنکھ کھلتے ہی کوئی ایسی ویسی چیز نظر آجائے۔ بس یہ سمجھ لیجئے اس دن خان بہادر ضرور نازل ہوں گے۔ اور اگر خدانخواستہ آنکھ کھولتے ہی وہ حضرت ہی نظر آجائیں۔ تو یہ طے ہے کہ اس دن جو جان نہ بھی گزر جائے، وہ کم ہے۔ مگر مجبوری یہ ہے کہ گرمی کا موسم ٹھہرا۔ خان بہادر صاحب سے ڈر کر کوئی کہاں تک باہر نہ لیٹے۔ اور باہر لیٹنے کے معنی یہ ہیں کہ خان بہادر صاحب کا خطرہ برحق ہو جاتا ہے۔ وہ جو ایک شمری کے بول ہیں کہ ۔

آنگن میں مت سو

ان کی قدر کچھ اسے۔ آر۔ پی والے نہیں۔ بلکہ خانصاحب بہادر کے نیازمند بھی کرتے ہیں۔ کوٹھی کے سبزہ زار پر پلنگ بچھا کر نہایت اطمینان سے رات کو سوئے اور صبح ہوتے خان بہادر صاحب نے آدبوچا۔ اب سمجھئے ان سے ہر اس موضوع پر بحث جو وہ آتے ہی چھیڑ دیں گے اور اس بحث میں یا تو جا بے جا ان کی تائید کیجئے ورنہ فوجداری کے لئے تیار رہیئے۔

اسم گرامی ہے جناب غلام دستگیر مگر نام تو شاید اب خود ان کو بھی یاد نہ ہو اپنے پرائے آئے گئے سب خان بہادر صاحب کہتے ہیں۔ بلکہ خان بہادر

www.taemeernews.com

صاحب کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ مخاطب کرنے والے ان کو اسی خطاب ہی سے مخاطب کریں۔ لاکھ سمجھایا کہ حضور اب عہد غلامی کے خطاب کی کیا وقعت۔ مگر یہ بات تو ان کی سمجھ میں اب کیا اس وقت بھی نہ آئی۔ جب مسلم لیگ کی تحریک پر ایک سے ایک خطاب یافتہ نے اپنے خطاب واپس کئے اور بڑے بڑے دو سطری اور سہ سطری خطابوں والے سب خطاب واپس کر کے بقلم خود رہ گئے۔ خان بہادر صاحب سے بھی اصرار کیا گیا مگر آپ کا جواب یہی تھا۔ کہ حضت کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ قبر کا تعویذ اس خطاب سے محروم رہ جائے۔ طرح طرح کے زور لگائے گئے بڑے بڑے اثر ڈالے گئے مگر توبہ کیجئے۔ آپ خان بہادری کو کلیجے سے لگائے بیٹھے رہے۔ اور اب تک انگریزوں کے سجادہ نشین بنے بیٹھے ہیں۔

انگریزوں کے سجادہ نشین کہنا تو شاید شاعری ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ اپنی حاضری کے سوگوار ضرور ہیں۔ جب تشریف لائیں گے آزادی سے نالاں۔ پاکستان سے بیزار اور اس خود مختارانہ زندگی سے عاجز تشریف لائیں گے، بیتے ہوئے دور کی یاد میں بیشمار ٹھنڈی سانسیں ان کے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ بیٹھ گئے تو ایک سے ایک مسٹر ولیم اور سر جان مور کے تذکرے ان سے سن لیجئے کیا کوئی اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے بیان کرے گا۔ جس قدر وہ انگریزی حکام کے افسانے مزے لے کر سناتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے قول بس یہی تھا۔ صاحب حکومت تو کر گیا انگریز۔

آج بھی اپنا قول لئے صبح صبح تشریف لائے اور مچھر دانی اٹھا کر منہ روشن دکھایا ہی تھا کہ دل دھک سے رہ گیا۔ صبح صبح زیارت ہوئی ہے۔

www.taemeernews.com

خدا ہی خیر کرے جشنِ آزادی کا مبارک دن اور آغاز ہوا ہے اس کا اس نحوست سے۔ مگر کرہی کیا سکتے تھے۔ منافقانہ خوش خلقی سے خیر مقدم کرنا پڑا۔ اور خان بہادر صاحب کرسی گھسیٹ کر اطمینان سے ناشتہ میں بھیجہ کھانے بیٹھ گئے۔

" کہئے مولانا آج تو آپ کا جشنِ آزادی ہے۔"

سمجھی مجھی حیرت سے عرض کیا " میرا جشنِ آزادی کیسا خان بہادر صاحب کیا یہ آپ کا جشنِ آزادی نہیں ہے۔"

ایک عجیب طنزیہ تبسم ان کے موٹے موٹے ہونٹوں پر تھرک کر رہ گیا۔

"اس قسم کے جشن آپ ہی کو مبارک رہیں بندہ ان بیاٹ قسم کے جشنوں کا قائل نہیں ہے۔ میاں جشن ہم نے دیکھے ہیں اپنے زمانے میں۔ یہ نہیں کہ بس کونگ مارچ ہوئی اور جشن ختم۔ اللہ اکبر کیسے کیسے جشن دیکھے ہیں انگریزوں کے زمانے میں بھی۔"

آگ ہی تو لگ جاتی ہے انگریزوں کے زمانے کا ذکر سُن کر جل کر عرض کیا " کیا آپ ہر وقت غلامی کے دور کو سراہتے رہتے ہیں؟"

آنکھیں گول کر کے بولے " بندہ نواز سراہتا یوں رہتا ہوں کہ حکومت کر گیا ہے انگریز۔ زمانے کی بات دوسری ہے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ زمانہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ ایک سے ایک جشن اس زمانے میں بھی ہوتے تھے اور وفاداروں کو وفاداری کے صلے ملتے تھے۔ وہ تو کہئے قسمت میں یہ آزادی لکھی تھی ورنہ مسٹر ڈارلنگ کمشنر کہا کرتے تھے مجھ سے کہ ول خان بہادر صاحب ہم آپ کو او۔ بی۔ اے کریگا۔ بلکہ وہ سفارش بھی کر چکا تھا اور اگر خطابوں کی یہ ناقدری نہ کی جاتی تو آ ہی رہا تھا۔ او۔ بی۔ ای کا خطاب بھی۔"

جی چاہا کہ اس انگریز پرست بڈھے کو انگریزی ہی میں ڈانٹ کر نکال دیں کہ گیٹ آوٹ مگر ہم ٹھہرے اس قوم کے فرد جو گھر آئے ہوئے انگریز کو بھی صدیوں

www.taemeernews.com

کے بعد نکال سکا ہے اور وہ بھی نہایت اخلاق اور شرافت کے ساتھ، لہٰذا خون کے گھونٹ پی کر خان بہادر صاحب سے صرف اس قدر عرض کیا۔

خان بہادر صاحب حیرت ہے کہ آپ ان دو لفظی خطابوں کے معاوضے میں صدیوں غلامی کرنے کے بعد بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ اصل عزت ان خطابوں سے حاصل ہو سکتی تھی یا اب حاصل ہو گی ہے جب آپ غلامی کے یہ طوق اتار کر آزاد ہوئے ہیں اور آپ کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ آپ کی دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے آزاد فرد ہیں۔

خان بہادر صاحب نے پان کو ایک گال سے دوسرے گال میں تبدیل کرتے ہوئے فرمایا، میاں کیسی باتیں کر رہے ہو بخدا جی نہیں چاہتا اب کچھ کرنے کو اور ایک وہ زمانہ تھا کہ ہزاروں رنگروٹ خود میں نے بھرتی کرا دیئے مگر وہی بات کی قدر ہوتی تھی ان کاموں کی، تعریف کی جاتی تھی ان کاموں کی۔ سب سے پہلے تو مجھے قیصر ہند مڈل ملا تھا حوصلے اور بڑھ گئے اور میں نے اور کام کیا اب جو خطابوں کی فہرست نکلتی ہے تو خانصاحب بنے بیٹھے ہیں۔ دربار ہوا اس میں بلائے گئے خود گورنر بہادر نے جو انگریز ہے ایکسیلینسی تھا اپنے ہاتھ سے بخدا تمغہ لگایا تھا۔ میرے سینے پر، اس خوشی میں جب میں ڈالی لے کر گیا ہوں مسٹر ڈارلنگ کمشنر بہادر کے یہاں تو ہنس کر بولے۔ "دل خانصاحب گورنمنٹ تم کو بہت عزت دے گا اور میں تم کو جلد خان بہادر بنا دوں گا۔ تو عزیز من میری خدمات میں اور سرگرمی پیدا ہو گئی۔ رنگروٹوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

الجھ کر عرض کیا۔ "مختصر یہ کہ آپ خان بہادر ہو گئے اور او، بی، ای ہوتے ہوتے بچے یہ تو درست مگر ــــ"

بات کاٹ کر بولے۔ "میاں پوری بات تو سنو میری۔ اب جناب سال میں

www.taemeernews.com

دو مرتبہ خطابوں کی فہرست نکلا کرتی تھی اور ہر مرتبہ خان بہادری کا انتظار رہتا تھا مگر نہ آج خطاب آتا ہے نہ کل۔ دل نے کہا کہ بس ہو چکے جو کچھ ہونا تھا اور اب یہ چلے میں مسٹر ڈارلنگ کے۔ نتیجہ یہ میں نے بھی رنگروٹوں کی بھرتی کا کام چھوڑ دیا۔ آخرایک دن مسٹر ڈارلنگ نے اپنے خاص سنتری کو بھیجا جناب وہ سرخ دری پر جھلملی پیٹی لگائے میرے یہاں آیا اور کہا کہ صاحب نے یاد کیا ہے تو جناب اسی روز میں شام کو گیا۔ ڈارلنگ صاحب کے بنگلے پر ڈارلنگ صاحب نے بہت ہی محبت سے۔ ہاتھ ملایا۔ سگریٹ پلائی خاص اپنے سگریٹ کیس سے اور مجھ سے کہا۔ کہ خانصاحب آپ بہت جلد گھبرا گیا ہے۔ آپ خان بہادر ضرور ہوگا۔ مگر اپنا کام نہ چھوڑیئے۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ جیسی حضور کی رائے ہو یہ غلام تو بندۂ بے دام ہے۔"

اب بتایئے کوئی کہاں تک یہ مکروہ داستان سُنتے ہم تنگ آکر عرض کیا۔ "خان بہادر صاحب وہ تو میں سمجھ گیا مگر حضور اب تو اپنی حکومت ہے اب یہ لفظی فریب کاریاں۔ یہ اعتباری عزتیں۔"

پھر کاٹ کر بولے "لاحول ولاقوۃ صاحب بات تو سُنیئے میری، تو جناب میں نے پھر بھرتی کا کام شروع کر دیا۔ اور خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ایک مرتبہ رنگروٹوں کی تعداد ہمیشہ سے زیادہ رہی اور اب جو یکم جنوری آتی ہے تو ۳۱ دسمبر کی رات ہی کو خان بہادری کا تار آگیا۔"

عرض کیا "۔ خیر وہ تو آپ کو مبارک کرے۔ مگر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اب آپ کس کی خوشامد کریں گے اب آپ کو کون یہ جھوٹے خطاب دے کر عزت کا فریب دے گا اب تو دستِ خود، ہاں خود والا معاملہ ہے۔ بقول شخصے

"خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ"

www.taemeernews.com

گردن کو جھٹکا دے کر بولے :- جی نہیں بندہ نواز یہ خاکسار اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ خطابوں کو بند کیا تھا تو اپنے خطابوں کو جاری کئے ہوتے، بلکہ میں نے تو یہ اسکیم بنائی تھی کراچی بھیجنے کے لئے کہ انگریزی دور کے خطابات اگر مسترد کر دیئے گئے ہیں تو اب پاکستانی خطاب وضع کئے جائیں :- مثلاً خان صاحب کے بجائے پاک صاحب، خان بہادر کی جگہ پاک بہادر۔ شمس العلماء کی جگہ علامۃ الدھر مختصر یہ کہ اس قسم کے تمام خطابات میں نے تجویز کئے تھے بلکہ یہ بھی لکھا ہے اپنی اس اسکیم میں کہ خطاب کیوں ضروری ہیں۔ ارے بھئی ایک چاٹ ہوتی ہے ان خطابوں کی آخر آدمی کس امید پر کوئی کام کرے۔

عرض کیا :- اپنا کام کوئی کس امید پر کرتا ہے بے لوث خدمت بھی تو آخر کوئی چیز ہے۔

خان بہادر صاحب بگڑ کر بولے :- "پھر وہی ارے میاں میں یہ پوچھتا ہوں کہ فرض کر لو کہ آج یوم پاکستان ہے اگر آج دوسری تقریبات کے علاوہ گورنر صاحب کا دربار بھی ہوتا اور اس دربار میں خطابات، تمغے، سندیں۔ تلواریں اور جاگیریں عطا ہوتیں تو اس دن کی اہمیت بھی ہوتی۔ ایک آسرا تو ہوتا لوگوں کو کہ اگر ملک اور قوم کا کام کریں گے تو یوں عزت افزائی ہو سکتی ہے۔ مگر اب تو ایک لاٹھی سے سب ہی بھینسیں ہنکائی جا رہی ہیں۔

عرض کیا۔ خان بہادر صاحب بات یہ ہے کہ میں آپ کو سمجھا سکتا ہوں اور نہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ بے لوث خدمت کرنے والے کو خود اس کا دل اور اس کا ضمیر کتنا بڑا صلہ دیتا ہے۔ آپ عادی ہیں اس دور کے جب انگریز آپ کو خان صاحب اور خان بہادر جا کر اکبر الہ آبادی سے یہ شعر کہلواتے تھے کہ ؎

www.taemeernews.com

اپنی منقاروں سے کس رہے جال کا
طائروں پر سحر ہے صیّاد کے اقبال کا

خان بہادر صاحب نے جلبلا کر اٹھتے ہوئے کہا: "ہاں صاحب بات تو واقعی یہی ہے کہ نہ آپ مجھ کو قائل کر سکتے ہیں نہ میں آپ کو مگر بندہ اس خالی سولی جشنِ آزادی کا قیامت تک قائل نہیں ہو سکتا ــــ"

خان بہادر صاحب اسی طرح بڑبڑاتے ہوئے تشریف لے گئے اور دماغ میں یہ الجھن چھوڑ گئے کہ کیا واقعی ہمارے افراد اب تک ملک و قوم کی بے لوث خدمت پر اس اعتباری عزت کو ترجیح دیتے ہیں جو عزت سے زیادہ حماقت کے ذیل میں آتی ہے ؟

www.taemeernews.com

بوہنی میں السیٹ

آپ کا ایسا ہی بُرا بھلا کہنے کو جی چاہتا ہے تو آپ زیادہ سے زیادہ مجھ کو شاعر کہہ سکتے ہیں مگر مشاعرہ میں ہرگز نہیں ہوں۔ اور اگر آپ انصاف سے کام لیں تو یہ واقعی زیادتی ہے کہ ایک فرد واحد کو پورا مشاعرہ سمجھ لیا جائے۔ مگر مجھ بدنصیب پر یہ زیادتی ہو چکی ہے۔ جس کی داستان ذرا تفصیل طلب ہے۔

جھوٹ کیوں کہوں شاعر تو میں خیر ہوں۔ بھئی شاعر ہونا اسی کو کہتے ہیں نا کہ انسان کا ایک تخلص ہو۔ وہ شعر کہتا ہو۔ کہہ کر پڑھتا ہو اور اگر زیادہ شامت آجائے تو چھپواتا بھی ہو۔ مجھ کو اپنی تمام کمزوریوں کا اعتراف ہے۔ تخلص بھی ہے نظمیں اور غزلیں بھی کہتا ہوں مشاعروں میں شرکت بھی کرتا ہوں اور اپنا کلام رسالوں اور اخباروں میں چھپواتا بھی ہوں مگر اس کے باوجود مجھ کو زیادہ سے زیادہ آپ شاعر ہی تو کہہ سکتے ہیں۔ میں مشاعرہ کیونکر ہو سکتا ہوں مگر قسمت میں یہ بھی لکھا تھا، میں صرف شاعر نہیں بلکہ مشاعرہ بن کر رہوں۔ چنانچہ قسمت کے لکھے کو میں نہ مٹا سکا۔

جُرم صرف یہ ہوا کہ اپنے چند معاصرین کی دیکھا دیکھی میں نے بھی ایک مشاعرے کے دعوت نامے کے جواب میں لکھ دیا کہ مجھ کو شرکت میں کوئی عذر نہیں

www.taemeernews.com

مگر میں مشاعرہ کمیٹی سے اتنی رقم وصول کروں گا۔ ظاہر ہے کہ یا تو آدمی اس قسم کی ادبی محافل میں شرکت کی کوئی فیس ہی نہ لے اور اگر لینا ہی ہے تو پھر اپنی شایان شان لے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ عام آدمی عموماً اور شاعر خصوصاً اپنی قیمت کا کچھ زیادہ ہی تخمینہ لگاتے ہیں چنانچہ یہی ہوا کہ مشاعرہ کمیٹی نے میرے مطالبہ کو بظاہر اپنی حیثیت اور اصل میں میری اوقات سے زیادہ سمجھ کر مجھ کو لکھا کہ یہ بہت زیادہ ہے اس میں تخفیف فرمائی جائے۔ اس قسم کے موقعوں پر خوددار آدمی عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر مول تول کرے تو شاعری اور ترکاری میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا اور اگر راضی برضا ہو جائے تو معاوضہ وہ ملتا ہے جس کی رسید دینے سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ اس صورت میں اب اپنے مطالبے سے نیچے اترنے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ خواہ مشاعرے میں شرکت سے محروم ہی کیوں نہ رہنا پڑتا۔ لہٰذا جواب میں ذرا سختی سے لکھ دیا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ شاعر سے دام چکا رہے ہیں اس "فرش نشین" مگر "عرش نشین" کو نیلام پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اگر مطلوبہ رقم پیش کرنے سے آپ قاصر ہیں تو یہ خاکسار بھی شرکتِ مشاعرہ سے معذور ہے"

زندگی میں پہلی مرتبہ تو مشاعرے کو ذریعۂ معاش بنانے کا ارادہ کیا اور اس میں بھی مول تول شروع ہو گیا۔ سبحان اللہ اس کو کہتے ہیں "بوہنی میں السیٹ" خیر وہ کچھ بھی ہو مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نیلامی بولیاں کوئی اپنے اوپر شروع کروائے۔ شرکت مشاعرہ سے انکار کر کے مشاعرے کی طرف سے ایک آدھ دن میں صبر آ ہی گیا۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ صبر آخر آ ہی جاتا ہے اور وقت سب سے بڑا مرہم ہے مگر اس سے زیادہ سچی بات کسی نے یہ کہی ہے کہ

www.taemeernews.com

صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، یعنی قطعی غیر متوقع طور پر اس مشاعرے کے سیکریٹری صاحب کا پھر ایک گرامی نامہ موصول ہوا کہ "مشاعرہ کمیٹی نے آپ کے والا نامہ پر غور کرنے کے لئے ایک خصوصی اجلاس طلب کیا اور گرما گرم مباحثہ کے بعد آخر کار طے یہ ہوا کہ آپ کا مطالبہ منظور کر لیا جائے۔ چنانچہ گزارش یہ ہے کہ اب آپ مقررہ تاریخ پر پہنچنے کے لئے صبح کی ٹرین سے روانہ ہو جائیں تاکہ شام کو یہاں پہنچ سکیں اور آپ کا استقبال آپ کے شایانِ شان ہو سکے۔"

کیوں صاحب ان حالات میں اگر یہ خط آپ کے پاس آتا تو کیا آپ کو اپنی اہمیت کا احساس نہ ہوتا اور کیا آپ غور نہ کرتے کہ صرف آپ کے ایک خط پر غور کرنے کے لئے ایک عظیم الشان مشاعرے کی مشاعرہ کمیٹی کا اجلاس خصوصی طلب کیا گیا ہے اور اس میں گرما گرم مباحثہ ہوا اور فیصلہ آپ ہی کے حق میں ہوا۔ پھر یہ کہ آپ کے شایان شان استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آپ یقیناً اس خط کو، یقیناً بار بار پڑھتے جیسا کہ میں نے پڑھا اور ایک ایک لفظ کے معنی نکالتے جس طرح میں نے نکالے اور اس استقبال کے شایانِ شان اپنے کو بنانے کی تیاریاں شروع کر دیں کہ سیاہ شیروانی پر سفید ہار کے سفید پھول خوب کھلتے ہیں ظاہر ہے کہ ٹرین سے اترتے ہی مشاعرہ کمیٹی کے لوگ استقبال کی ابتداء ہار پہنا کر کریں گے اور فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے تصویریں بھی لیں گے ان تصاویر میں سیاہ شیروانی اور اس پر ہاروں کے سفید پھول پھوٹ پھوٹ کر نکلیں گے پھر شیروانی تو تصویر کو سجا دیتی ہے بشرطیکہ چوڑی دار پاجامہ کسی موچی نے نہیں بلکہ کسی باقاعدہ درزی نے سیا ہو شیروانی

www.taemeernews.com

بغیر چوڑی دار پاجامہ کے سہاگن نہیں معلوم ہوتی اور چوڑی دار پاجامہ بغیر پھولدار موزوں اور وارنش کے پمپ کے کچھ بندوق کا غلاف بن کر رہ جاتا ہے۔ لطف آجائے اگر اس لباس پر ایک اعلیٰ درجہ کی جناح کیپ بھی ہو۔ اس تمام سامان کا تخمینہ ذرا حوصلہ شکن ضرور تھا مگر مشاعرہ کمیٹی سے جو رقم طے ہوئی تھی اس میں یہ چیزیں بھی شامل تھیں۔ چنانچہ یہ تمام سامان خریدنے میں پوری ریاست سے کام لیا گیا اور درزی کو ہدایت کر دی کہ اجرت کا کوئی سوال نہیں البتہ شیروانی ایسی ہو کہ مشاعرہ لوٹ لائے اور چوڑی دار پاجامہ بھی ایسا ہو کہ حاصلِ مشاعرہ سمجھا جائے۔ کرتہ آپ کی دعا سے موجود تھا جو اسی قسم کی تقریبات کے لئے تبرک کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ اس کرتے پر جو بیل کڑھی ہوئی ہے اس کے پھولوں کو اکثر لوگ دھوکا کھا کر سونگھ لیا کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں اسی کرتے کی سب سے زیادہ فکر تھی اور شکر ہے کہ یہ کرتہ مع اپنے گریبان کے اگست ۱۹۴۷ء کے دشت وحشت سے صاف بچ گیا۔ اس کرتے کے نیچے جالی دار بنیان کچھ ایسا منظر پیش کرتی ہے گویا جمنا کے اندر تاج محل کا عکس پڑ رہا ہو۔ مگر معاف کیجئے گا یہ ایک غیر ملکی قسم کا استعارہ ہے۔ استعارہ بھی نہیں بلکہ غیر ملکی تشبیہ ہے، تو اب اس کو یوں سمجھیئے کہ اس کرتے کے نیچے جالی دار بنیان ایسی معلوم ہوتی ہے گویا سمندر میں کلفٹن جھانک رہا ہو۔ مگر ان چیزوں کے علاوہ سفر کے لئے اور ایسے سفر کے لئے جس کا اختتام عظیم الشان استقبال ہونے والا ہو، بے شمار چیزوں کی ضرورت تھی۔ مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کا سوٹ کیس ہونا چاہیئے تھا۔ خیر وہ تو بیگم صاحبہ نے کہا کہ میں اپنے بھائی جان سے منگا دوں گی۔

www.taemeernews.com

بستر کے لئے ہولڈال تو خیر موجود تھا مگر اس کے تسمے گھوڑے تانگے کا کھیل کھیلتے ہوئے بچے اپنے صرف میں لا چکے تھے لہٰذا وہ بھی خریدے گئے۔ اب رہ گیا بستر کا سامان، اس سلسلہ میں آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ آپ کا یہ غلام بیحد خوش قسمت واقع ہوا ہے کہ بستر کی سب سے بڑی چیز ہے لحاف۔ وہ بیگم صاحبہ کے جہیز میں آیا تھا اور اگر انکسار سے کام نہ لیا جائے تو وہ دراصل اس قابل ہے کہ فریم کرا کے گول کمرے میں لگا دیا جائے۔ یہ لحاف عام طور پر ایک بڑے سے صندوق میں بند رہتا ہے اور اس کو استعمال کرنے کے لئے اس خاکسار کو انتظار ہے کہ کسی ایسے وقت کا جب اس کارساز کی قدرتِ کاملہ کسی ملک کی فرمانروائی عطا کرے گی تو شاید چھپر کھٹ پر یہ لحاف زیب دے گا۔ مگر اس مشاعرے کے لئے بیگم نے اس لحاف کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر گھر بھر کے تکئے جمع کئے گئے اور ان کا طبی معائنہ شروع ہوا کہ ان میں سے کون سے وہ دو تکئے ہیں جو کم سے کم مرمت کے بعد بادی النظر میں تکئے سمجھے جائیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ شہر میں بلوہ ہو گیا ہے اور یہ تکئے نہیں بلکہ اس بلوے کے زخمی یہاں لا کر تلے اوپر ڈھیر کر دیئے گئے ہیں۔ بمشکل تمام دو تکئے نظرِ انتخاب کا مرکز بنے اور ملے پایا کہ تکیہ بذاتِ خود کوئی چیز نہیں تکئے کو تو اس کا غلاف سجاتا ہے اور غلاف خدا کے فضل سے ایسے ایسے ہمارے یہاں موجود ہیں کہ لوگوں کو چاہیئے کہ دُور دُور سے دیکھنے کو آئیں۔ اور سیاحوں کی نظر پڑیں تو تصویریں اتار لے جائیں۔ چنانچہ ان دو تکیوں کے لئے جو دو غلاف نکالے گئے ان میں سے ایک پر اودے، نیلے، پیلے ریشم سے کڑھا ہوا تھا WELCOME اور دوسرے پر ایک ایسی چڑیا کی دیدہ زیب تصویر تھی جس کو دیکھ کر علم حیوانات کے ماہر حیران ہیں کہ یہ آخر کس نسل کی چڑیا ہے اور دُنیا کے

www.taemeernews.com

کس حصے میں پائی جاتی ہے۔ بستر کی چادر البتہ کوئی ایسی نہ تھی جو ایسے تکیوں اور ایسے لحاف کے ساتھ سج سکے متعدد بکس ٹٹولنے کے بعد ایک چادر مل گئی مگر اس میں یہ نقص نکلا کہ اس کے کناروں پر چاروں طرف عجیب عجیب مصرعے چھپے ہوئے تھے۔ مثلاً۔ ع

"روزی خود میخورد برخوانِ تو"

ظاہر ہے کہ ایسی چادر ساتھ لے جانے سے تو یہی اچھا تھا کہ بغیر بستر کے پہنچ جاتے مگر واہ ری منتظم بیوی۔ دروازے کا ایک پردہ اتار کر اس کے کپڑے نکال دیئے اور اب جناب وہ ایسی لاجواب چادر بنی ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ خدا خدا کر کے بستر اور سوٹ کیس کا سامان مکمل ہو گیا اور اب اس سفر کے لئے صرف دو چیزوں کی ضرورت تھی ایک ذرا خوبصورت سا لوٹا دوسرے ذرا مناسب سی سلیپر، لوٹوں کے سلسلے کی مجبوری یہ تھی کہ جو لوٹے صورت شکل کے اعتبار سے درست تھے وہ ٹپکتے تھے اور ایک لوٹا جو ٹپکتا نہ تھا اس کی ٹونٹی خدا جانے کس حادثہ میں ٹوٹ گئی تھی اور بیگم صاحبہ اس بات کی سخت مخالف تھیں کہ اتنے بڑے شاعر کے لئے ایک لوٹا تک کسی سے مانگا جائے۔ کافی غور و فکر کے بعد طے پایا کہ لوٹا دراصل عہد جہالت کی یادگار ہے اور اس روشنی اور ترقی کے زمانے میں بغیر لوٹے کے بھی زندگی بسر ہو سکتی ہے بلکہ وہ زندگی جو لوٹے کے ساتھ بسر ہو نہ ترقی یافتہ زندگی کہلاتی ہے نہ ترقی پسند زندگی۔ چنانچہ لوٹا تو لاگیا تخفیف میں اور سلیپر کی جگہ بیگم صاحبہ نے مشورہ دیا کہ وہ پھول دار کھڑاویں رکھ لیں جن میں سے ایک کی کھونٹی رات سے غائب تھی مگر حال ہی میں پتہ چلا کہ شطرنج کے مہروں میں رکھی ہوئی ہے اور بادشاہ کے بجائے اس لئے استعمال ہوتی ہے کہ شاہ موصوف فقیری لے کر مدت سے

www.taemeernews.com

مفقود الخبر ہیں ۔ بہر حال وہ ٹکڑا دیں بھی احتیاطاً کہ داشتہ بکار آید ۔

آخر وہ دن بھی آگیا جس کے لئے دن گنے جا رہے تھے ۔ گھڑی میں آدھی رات کا الارم لگا کر سوئے تھے مگر الارم بجنے سے پہلے ہی بیدار ہو کر الارم کو بجنے کی زحمت سے بچایا ۔ راتوں رات نہا دھو کر بن ٹھن کر تیار ہو گئے اور صبح ہوتے ہی گھر سے اپنا سامان اور بیوی کی دعائیں لے کر اسٹیشن روانہ ہو گئے ۔ جب منزل مقصود پر شاندار استقبال ہونے والا ہو تو راستہ خواہ مخواہ طویل ہو جاتا ہے اور وقت کاٹے نہیں کٹتا ۔ ہر چند کہ اپنے نزدیک ٹرین میں سوئے بھی ۔ مشاعرے میں جو غزل پڑھنے والے تھے اس پر بار بار نظر ثانی کی اس کی دُھن بٹھائی ۔ کئی مرتبہ غسل خانے میں جا کر آئینہ کے سامنے وہ غزل پڑھ پڑھ کر اپنے کو سنائی ۔ داد پر سلام کرنے کے طریقوں کو ریہرسل کیا اور آخر جب منزل مقصود آئی تو سوٹ کیس سے برش نکال کر پہلے سیاہ شیروانی کو صاف کیا ۔ پھر وارنش کے پمپ کو چمکایا چوڑی دار پاجامے کی چوڑیاں مرتب کیں ۔ ہاتھ منہ دھو کر بنائے بال ۔ جناح کیپ کے زاویے درست کئے ۔ یہاں تک کہ وہ اسٹیشن آگیا جس پر شعر و ادب کے ایک دیرینہ خدمت گزار کو اس کی خدمات کا صلہ ملنے والا تھا ۔ شوق نے کہا مار چھلانگ پلیٹ فارم پر ۔ ضبط نے کہا خیر مقدم کرنے والوں کو آنے دو یہی وقت ہے رکھ رکھاؤ کا ۔ چنانچہ ایک اخبار لے کر بیٹھ گئے جو اس وقت کسی ایسی زبان کا اخبار معلوم ہو رہا تھا جس کے گویا حرف شناس ہی نہ تھے ۔ یہاں تک کہ انجن نے روانگی کی سیٹی دے دی اور اب اس رکھ رکھاؤ کو اٹھانا ہی پڑا ۔ ہولڈال پلیٹ فارم پر پھینکا ۔ سوٹ کیس ہاتھ میں لیا اور پلیٹ فارم پر آ گئے ۔ جہاں حد نظر تک نہ اس عظیم الشان مشاعرے کی مجلس انتظامیہ کے ممبر تھے نہ پھولوں کے ہار لئے ہوئے مشاعرے کے

www.taemeernews.com

رضاکار نہ فوٹو گرافر۔ اخبار پر تاریخ دیکھی کہ کہیں مارے شوق کے ایک دن پہلے تو نہیں آ گئے اسٹیشن کا نام پڑھا کہ کہیں غلط جگہ تو نہیں اتر گئے اور جب ہر طرح سے اطمینان کر لیا تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک صاحبزادے نے قریب آ کر کچھ سونگھنے کے انداز سے کہا:۔

"جناب لاہور سے تشریف لائے ہیں"

عرض کیا:۔ "جی ہاں۔ حاضر تو ہوا ہوں لاہور سے، یہاں ایک مشاعرہ ہے" وہ بات کاٹ کر جلدی سے بولے "ادھر میں تو آپ کو بڑی دیر سے ڈھونڈھ رہا تھا اور اب تو مایوس ہو چلا تھا۔ بہرحال تشریف لائیے" اور ایک قلی سے ارشاد فرمایا کہ سامان اٹھائیے،

اسٹیشن سے جائے قیام تک ایسے تانگے پر لائے گئے جس کا گھوڑا غالباً سودا کے گھوڑے کی نسل کا چشم و چراغ تھا اور ٹھہرائے گئے ایک ایسے خانۂ بے تکلف میں جو تھانوی کی رعایت سے کچھ تھانہ کی سی حیثیت رکھتا تھا ہم تو دم بخود تھے مگر وہ سودا کے گھوڑے کی نسل کا گھوڑا وفور مسرت سے ہنہنا رہا تھا۔ اسٹیشن پر جس سناٹے کے ساتھ خیر مقدم ہوا تھا اس کے معنی یہ پیدا کئے تھے کہ اسٹیشن پر استقبال مناسب نہ سمجھا گیا ہوگا۔ اور طے ہوا ہوگا کہ جائے قیام پر گارڈ آف آنر کا معائنہ کرایا جائے مگر یہاں بھی ایسی ویرانی سی ویرانی تھی کہ دشت کو دیکھ کر گھر یاد آ رہا تھا۔ بڑی دیر کے بعد ایک صاحب دانت نکالے اور ناک ضبط کئے ہوئے تشریف لائے "آداب عرض" تشریف لائیے ـــــ بڑی لیٹ ہو گئی آج گاڑی" کاش ان حضرت کو معلوم ہوتا کہ گاڑی سے زیادہ تانگہ لیٹ ہوا تھا جس کا گھوڑا عرض کی پابندی کے ساتھ ہر قدم ناپ تول کر اٹھاتا تھا۔

www.taemeernews.com

ان حضرت نے نہایت بے تکلفی سے فرمایا "میری رائے میں مشاعرے کے بعد ہی طعام کا بندوبست کیا جائے اس لئے کہ کافی دیر ہو چکی ہے"

عرض کیا: "جی ہاں یہی مناسب ہوگا"

وہ حضرت بولے "یہ رہا مشاعرہ دس قدم پر ہے ہی تشریف لائیے"

آگے آگے وہ حضرت اور پیچھے پیچھے یہ خاکسار۔ اس گلی میں داخل ہو کر اس گلی میں برآمد ہوئے اور اس گلی سے مڑ کر پھر ایک گلیارے میں پہنچے یہاں تک کہ گلیاں بھی ختم ہو گئیں اور ایک سپاٹ میدان شروع ہو گیا جس کے ایک گوشے میں کچھ شامیانہ سا نظر آیا۔ کچھ روشنی بھی تھی اور زندگی کے کچھ ایسے آثار تھے جیسے کسی جنازے کی آمد پر قبرستان میں نظر آتے ہیں۔ ابھی ہم لوگ دس پانچ قدم ادھر ہی تھے کہ ایک صاحب نے لپک کر ہمارے رہنما سے پوچھا "کیوں بھئی آگئے وہ حضرت یا لعنت بھیج جائے"

رہنما نے انگشت شہادت لبوں پر رکھ آنکھ سے کچھ ایسا اشارہ کیا کہ وہ حضرت کچھ ٹھٹھک کر رہ گئے اور نہایت منافقت سے فرش راہ ہوتے ہوئے بولے "تشریف لائیں حضور بڑا انتظار کرایا آپ نے۔ غالباً ٹرین کافی لیٹ تھی" اور حضور جی ہاں اور جی نہیں قسم کے واجبی جواب دیتے ہوئے پنڈال میں پہنچ گئے جہاں کسی کے اشارے پر پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا۔ یہ تالیاں اس کسمپرسی کے عالم میں بڑی غنیمت محسوس ہوئیں اور وہ احساس کمتری جو خندہ کشی کی طرف متوجہ کر رہا تھا ان تالیوں سے گونج ہی رہا تھا کہ ایک خلال نما نوجوان نے مائیکروفون کے قریب جا کر حاضرین کو مخاطب کیا:۔

"حضرات ہمیں افسوس ہے کہ ٹرین کے اتفاقاً لیٹ ہو جانے کی وجہ

www.taemeernews.com

سے ہمارے مہمان محترم دیر سے پہنچے اور آپ کو انتظار کی صبر آزما گھڑیاں گزارنا پڑیں حضرات اگر یہ عام مشاعرہ ہوتا تو آپ کی ضیافت طبع کے لئے ہم دوسرے شعراء کو پیش کرتے رہتے اور یہ کشمکش انتظار میں یوں نہ کٹتا۔ مگر جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مشاعرہ قاعد اعظم میموریل فنڈ کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ ارادہ یہ تھا کہ اس کی کل آمدنی، اخراجات وضع کر کے اسی فنڈ میں دیدی جائے گی۔ ہم نے اس مشاعرے کے لئے شعرا کی اچھی خاصی فہرست بنائی تھی مگر باوجود اس کے کہ ہم نے متعدد خطوط لکھ کر اپنے ان مہمانِ محترم کو جو تشریف لائے ہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اس مقصدی مشاعرے کی شرکت میں تجارتی لین دین سے کام نہ لیں موصوف اپنے گراں قدر مطالبے سے قطعاً پیچھے نہ اترے اور آخر ہم کو یہ طے کرنا پڑا کہ آپ کی منہ مانگی رقم آپ کو پیش کر دی جائے خواہ کسی اور شاعر کو ہم نہ بلا سکیں ــــ۔ بھری پنڈال سے نعرہ بلند ہوا "شرم۔ شرم ــــ"

اور ہم نے محسوس کیا کہ ہم کچھ ڈوب سے رہے ہیں مقرر کی تقریر جاری تھی۔

"حضرات ہمارا اور آپ کا فرض اب یہ ہے کہ اپنے مہمان محترم پر قناعت کریں اور پورا وقت آپ ہی کو دے کر آپ کا کلام ذرا تفصیل سے سنیں"

ہم کو محسوس ہوا گویا ہم مشاعرے میں نہیں بلکہ ہوائی جہاز پر سفر کر رہے ہیں اور جہاز اس وقت بادلوں کے اوپر پرواز کر رہا ہے۔ اسی وقت خدا جانے کس بزرگ نے سہارا دے کر ہم کو مائیکروفون کے قریب لا کر کھڑا کیا اور ہم نے بہت کچھ سنبھل کر ایک غزل شروع کی جس کا پہلا مصرع اسی غزل کا تھا جو ہم پڑھنا نہ چاہتے تھے۔ مگر دوسرا مصرع اس غزل کا تھا جو ہم پڑھنا چاہتے تھے یعنی

www.taemeernews.com

دوسرا مصرعہ اُس غزل کا تھا جو خدا جانے اس وقت کیوں یاد آگئی تھی۔ پنڈال قہقہوں اور تالیوں سے گونج رہا تھا۔ معلوم نہیں کس خدا ترس کو ہم پر رحم آیا اور ہمارے سامنے پانی کا گلاس پیش کیا گیا۔ اس عرصہ میں سیکریٹری صاحب مشاعرہ نے سامعین کو شرافت کے چند درس دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ چپ ہو گئے اور پانی پینے کے بعد ہم نے بجائے غزل پڑھنے کا اعلان کیا :-

حضرات! میں نے توبہ کرلی ہے۔ کہ اوّل تو آئندہ مشاعروں میں شرکت ہی سے احتراز کروں گا۔ اور اگر بفرضِ محال کہیں شریک بھی ہونا پڑا تو۔ بجائے معاوضہ لینے کے بانیانِ مشاعرہ کو معاوضہ دیا کروں گا اب بدقسمتی سے میں گھر سے سوائے سفر خرچ کے مزید رقم نہیں لایا۔ اس لئے میری پیش کش صرف اس حد تک محدود رہے گی کہ واپسی کا کرایہ رکھ کر وہ تمام جو مجھے سیکریٹری صاحب کی طرف سے ملنے والے ملنے والی ہے۔ اُسے میں قائداعظم میموریل فنڈ میں بہ صد خلوص پیش کروں۔

کسی غزل پر مجھ کو کبھی اتنی داد نہ ملی تھی جتنی اس اعلان پر ملی اور پھر جو غزل بھی پڑھی مقبول ہوئی ؛

www.taemeernews.com

کرکٹ میچ

بعض دوستوں نے سیالکوٹ چلنے کو کہا تو ہم فوراً تیار ہو گئے مگر جب یہ معلوم ہوا کہ اس سفر کا مقصد کرکٹ میچ ہے تو یکایک سانپ سونگھ گیا۔ سفر کا تمام ولولہ ایک بیتی ہوئی یاد کی نظر ہو کر رہ گیا۔ اب لاکھ لاکھ سب پوچھتے ہیں کہ چکر آگیا ہے۔ خانج گرا ہے۔ قلب کی حرکت بند ہو رہی ہے۔ آخر واقعہ کیا ہے مگر کسی کو کچھ نہ بتا سکے اس لئے کہ کوئی معمولی بات نہ تھی کہ سرسری طور پر بتا دی جاتی۔ اس لئے کہ جس تفصیل کی ضرورت ہے وہ اس وقت میسّر نہ تھی۔ اب میسّر ہونے کا امکان ہے تو عرض کئے دیتے ہیں۔

آپ گھبرائیے گا نہیں اور نہ اس کو بدحواسی سمجھئے گا یہ کرکٹ کا قصہ ہے اور ہاکی سے شروع ہو رہا ہے ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کو ہاکی اور کرکٹ کا فرق معلوم ہے مثلاً ہاکی کا گیند سفید ہوتا ہے اور کرکٹ کا لال اور مثلاً — مثلاً — یہ۔ مطلب یہ کہ مثال کے طور پر سینکڑوں فرق عرض کئے جا سکتے ہیں۔ خوب یاد آیا مثلاً کرکٹ میں رَن بنائے جاتے ہیں اور ہاکی میں گول۔ ہاکی میں گول کیپر ہوتا ہے اور کرکٹ میں وکٹ کیپر۔ مطلب عرض کرنے کا یہ ہے کہ زمین آسمان کا فرق ہے ان دونوں کھیلوں

www.taemeernews.com

ہیں اور ہم کرکٹ کی داستان جو ہاکی سے شروع کر رہے ہیں اس کا بخدا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب ہم اتنے ہی گویا گاؤدی ہیں کہ ہاکی کو کرکٹ یا کرکٹ کو ہاکی سمجھتے ہیں بلکہ کرکٹ کی داستان ہاکی سے شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا قصہ اصل میں ہاکی ہی سے شروع ہوتا ہے ۔

اسکول کے زمانے میں ہم ہاکی کھیلا کرتے تھے اور کچھ اچھا ہی کھیلتے تھے کہ ہم کو اسکول کی اس ٹیم میں لے لیا گیا تھا جو ٹورنامنٹ کھیلنے والی تھی ۔ چنانچہ ہم ٹورنامنٹ کے میچوں میں کھیلے اور خوش قسمتی سے ہماری ٹیم فائنل میں بھی پہنچ گئی ۔ پہنچ گیا کی بلکہ جیت ہی جاتی اگر ہماری نظریں عین اس وقت جب کہ ہم آسانی سے گول بچا سکتے تھے تماشائیوں میں والد صاحب پر نہ پڑ جاتیں جو آئے تو تھے میچ دیکھنے مگر آنکھیں بند کئے کچھ بڑبڑا رہے تھے اور کچھ عجیب رقت انگیز چہرہ بنا ہوا تھا ان کا ہم نے ان کو دل ہی دل میں کہا کہ یہ آج کہاں آ گئے اور وہاں شور ہوا گول ہو جانے کا ۔ اس شور سے ہم بھی چونکے اور والد صاحب نے بھی آنکھیں کھول دیں اور کچھ ایسی قہر آلود نگاہوں سے دیکھا ہے ہم کو ہاکی سے طبیعت اچاٹ کر کے رکھ دی ۔ اب ہماری ٹیم لاکھ لاکھ بعد لگاتی ہے گول آ آرنے کے لئے مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف کی ٹیم کے کسی کھلاڑی کے والد صاحب تماشائیوں میں تھے ہی نہیں نتیجہ یہ کہ کھیل ختم ہو گیا اور ہماری ٹیم ہار گئی اب جس کو دیکھئے وہ ہم ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہا ہے ۔

" بھئی یہ ہوا کیا تھا ۔ سو گئے تھے کیا ۔ ؟ "

" کمال کر دی تم نے گیند ٹہلاتا ہوا تمہارے سامنے سے گول میں چلا گیا اور تم منہ اٹھائے کھڑے رہے ۔ حد کر دی تم نے بھی "

" ہارنے کا افسوس نہیں ہے ۔ مگر یہ تو مفت کی ہار ہوئی "

تماشائیوں میں سے ایک صاحب کہتے ہوئے نکل گئے " رشوت میں افیم ملی تھی

www.taemeernews.com

کھانے کو، گولی کھا کر گول کرالیا۔"

اب کسی کو ہم کیا بتاتے کہ ہم پر کیا قیامت گزر رہی تھی اس وقت لعنتیں برستی رہیں ہم پر۔ اور ہم سر جھکائے سب کچھ سنا کیے اس لئے کہ واقعی قصور اپنا ہی تھا۔ دوسرے اس لعنت ملامت کی پرواہ کس کو تھی۔ دل تو اس وقت کے تصور سے دھڑک رہا تھا جب گھر پہنچ کر والد صاحب کے سامنے پیشی ہوگی مشکل تمام اس مجمع سے جان بچا کر تھکے ہارے گھر جو پہنچے تو ڈیوڑھی میں قدم رکھتے ہی والد صاحب کی گرجدار آواز سنائی دی۔

"مگر میں پوچھتا ہوں کہ مجھے آج تک کیوں نہ معلوم ہوا کہ صاحبزادے کو خودکشی کا یہ شوق بھی ہے تم تو یہ کہہ کر چھٹی پا گئیں کہ یہی ہوتا ہے کھیل کود کا زمانہ۔"

والد صاحب نے فرمایا "تو کیا غلط کہا میں نے کس کے بچے نہیں کھیلتے۔"

والد صاحب نے میز پر گھونسہ مارتے ہوئے فرمایا "پھر یہی کھیل اے جناب یہ موت کا کھیل ہوتا ہے موت کا۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے ہر طرف اور خدا ہی کھیلنے والوں کو بچاتا ہے میر اصغر علی کا نوجوان لڑکا ہائے کیا تندرستی تھی اس کی۔ اس کھیل کی نذر ہو گیا۔ کلیجہ پر نہ پتھر کا پتھر گیند لگا سانس بھی نہ لی اور جان دیدی۔ باپ نے بڑھ کر پیشانی کو بوسہ دیا اور کوچ تک کلیجہ پکڑے پھرتے ہیں۔ اگر کچھ ہو جائے اس کے دشمنوں کو تو تماشا کیا جائے گا۔ میں تو ہائے کر کے رہ جاؤں گا دونوں ہاتھ مل کر۔"

والدہ صاحبہ نے کہا "اللہ نہ کرے ایسے کلمے زبان سے بھی نہ نکالو آئے گا تو سمجھا دوں گی کہ یہ جان جوکھوں کا کھیل نہ کھیلا کرے۔"

والد صاحب نے کہا "خدا جتنی دیر کھڑا میچ دیکھتا رہا گڑگڑا کر دعائیں مانگتا رہا کہ پروردگار تو ہی اس کا حافظ و ناصر ہے! خلاج کے دورے پر دورے پڑ رہے تھے کہ

www.taemeernews.com

دیکھیے قسمت کیا دکھاتی ہے آج۔ ارے بھی کھیلنے کو میں منع نہیں کرتا۔ شطرنج کھیلئے پچیسی کھیلیے پروں کے گیند سے ایک کھیل کھیلا جاتا ہے، بھلا سا نام ہے اس کا وہ کھیلیے ٹینس تک غنیمت ہے مگر یہ تو ایسا نامراد کھیل ہے کہ میرا اصغر علی کلیجہ پکڑ کر رہ گئے تھے۔"

والدہ صاحبہ نے وہم میں مبتلا ہو کر کہا "ہو گا بھی۔ ڈور پار ملی۔ اب بار بار میرا اصغر علی مونے کا ذکر کیوں کر رہے ہو کہہ تو چکی ہوں کہ سمجھا دوں گی۔"

والد صاحب نے فیصلہ کن انداز سے کہا "میں طے کر رہا تھا کہ علیگڑھ بھیج دوں گا اس کو مگر اب تو جب تک مجھے پوری طرح یقین نہ ہو جائے کہ صاجزادے کا ان خطرناک مشاغل سے کوئی تعلق نہیں ہے اس وقت ناممکن ہے میرے لئے ان کو علیگڑھ بھیج دینا۔"

ہم نے دل ہی دل میں کہا یہ تو غضب ہو گیا۔ یہاں اسی امید پر جی رہے ہیں کہ اب علیگڑھ جائیں گے۔ ہوسٹل میں رہیں گے۔ کالج میں پڑھیں گے اور صحیح طالب علمانہ زندگی کا لطف تو اب آئے گا۔ اور وہاں اس ہاکی سے خدا سمجھے، اس نامراد نے اس امید پر پانی پھیر کر رکھ دیا اب ڈیوڑھی میں ٹھہرا رہنا ناممکن بن گیا۔ ہمت کر کے قدم اٹھایا اور اس طرح والد صاحب کے سامنے آ گئے گویا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ والد صاحب تو انتظار میں بیٹھے ہی تھے دیکھتے ہی مخاطب کیا۔

"میاں ذرا بات تو سنو۔ یہ ہاکی کب سے شروع کی ہے۔"

عرض کیا "جی ہاکی؟ ہاکی سے تو دل کھٹا ہو گیا آج۔ ابھی جو کھیلوں میں یہ خطرناک کھیل۔ اتی جان مجھے بھلا کیا معلوم تھا کہ ایسا خطرناک ہوتا ہے یہ کھیل۔ میں نے تو آج سے کان پکڑ لئے بلکہ آج تو یہاں تک ہوا کہ ایک مرتبہ گیند خود بخود میرے قریب آیا کہ تم میرے پاس نہیں آتے تو میں تمہارے پاس آ رہا ہوں مگر میں نے اس کو ڈر کے مارے چھوا تک نہیں کہ نہ جانے کیا واردات ہو۔"

www.taemeernews.com

والد صاحب نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ میں تو خود حیران تھا کہ یہ تم کو ہاکی کھیلنے کی کیا سوجھی۔

عرض کیا۔ بیوقوفی تھی میری۔ کھیل کی وردی پہننے اور ٹیم کے ساتھ جانے کا شوق تھا۔ مگر اللہ بچائے میرا تو خون خشک ہو کر رہ گیا۔

امی جان نے کہا۔ تم سے زیادہ تمہارے ابا جان اپنا خون خشک کر کے آئے ہیں۔ یہ بھی گئے تھے دیکھنے۔

ہم نے بڑی معصومیت سے کہا۔ اچھا۔ آپ بھی گئے تھے۔ میں نے نہیں دیکھا۔ مگر میں تو یاز آیا ایسے کھیل سے جن کو جان دینا ہو اپنی وہ کھیلے یہ کھیل۔

والد صاحب کو سولہ آنے یقین ہو گیا کہ برخوردار ذاتی طور پر ویسے ہی بزدل واقع ہوئے ہیں جیسا وہ چاہتے ہیں اور حسبِ معمول علیگڈھ جانے کا پروگرام بنتا رہا۔ جہاں تک ہاکی سے تائب ہونے کا قصہ ہے وہ بھی جھوٹ نہ تھا۔ ایک تو رعایتی حیثیت سے اس اسکول کی پہلی ٹیم میں لئے گئے تھے۔ دوسرے فائنل میچ میں مخالف سمت سے آنے والے گیند کے ساتھ جو اخلاق برت چکے تھے۔ اس کے بعد یہ سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ کہ پھر بھی ہم کو ٹیم میں رہنے دیا جائے گا۔ لہٰذا یہ تائب ہونے والی بات بھی منجانب اللہ کچھ سچ مچ ہی ثابت ہوئی اور ہاکی سے واقعی نجات مل گئی۔ اسکول میں کچھ دن فائنل ہارنے یہ قصہ لطیفہ اور ہم اس لطیفے کے ہیرو بنے رہے مگر اس کے بعد بات آئی گئی ہو گئی۔ اور امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد تو ہاکی سے کیا اسکول ہی سے کوئی واسطہ نہ رہا۔

علی گڈھ میں داخلہ لینے کے بعد اس قسم کے جان جوکھم کھیلوں کے علاوہ اور بھی بیشمار تفریحی مشاغل کہ کالج کے باہر کی زندگی بے رونق سی محسوس ہونے لگی۔ اور کچھ ایسا دل لگا کہ حساب جو لگایا تو یہ صرف چار سال کی بہار تھی۔ حالانکہ دل یہ

www.taemeernews.com

چاہتا تھا کہ یہ جنت اتنی بے ثبات تو ثابت نہ ہو۔ چنانچہ اس کا خود ہی انتظام کرنا پڑا۔ کہ اب ایسی بھی کیا جلدی کہ ہر سال پاس ہی ہوتے چلے جائیں اگر ہر جماعت میں صرف ایک ایک سال فیل ہوتے رہیں۔ تو آسانی سے یہ نعمت دوگنی ہو سکتی۔ اور آٹھ سال تک ان دلچسپیوں کے مزے لوٹ سکتے۔ اسی پروگرام کے ماتحت ذرا اطمینان سے پڑھتے رہے۔ بعض سفر ایسے دلچسپ ہوتے ہیں اور راستے کی فضائیں مسافر کو ایسا موہ لیتی ہیں کہ وہ میل ٹرین کے بجائے پسنجر میں سفر کرنا چاہتا ہے۔ کچھ اس قسم کی پسنجر ٹرین سے ہم نے کالج، کالج کا سفر طے کرنا شروع کیا کہ ہر اسٹیشن پر ٹھہر ٹھہر کر سفر کر رہے ہیں اس کے متعدد فائدے بھی پہنچے ایک تو یہ کہ وہ جو خاکاری مسلسل اور متواتر پاس ہونے میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اور جس کی بدولت حصول تعلیم کا مقصد رفتہ رفتہ فوت ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ وہ خاکاری پیدا نہ ہوتے اور پختگی کے علاوہ ایک عجیب ٹھوس قسم کی تجربہ کاری خود بخود پیدا ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ کالج کی زندگی کے وہ گوشے بھی دریافت ہوتے رہے جو پاس ہونے والے طالب علموں کو پاس ہونے کی خود غرضانہ جلد بازی کے بدولت نظر ہی نہیں آتے پھر سب سے بڑی بات یہ کہ جو پاس ہونے والے طالب علم ہوتے ہیں..... ان کا کام سوائے پڑھنے کے اور کچھ نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ عملی زندگی میں جب قدم رکھتے ہیں تو نہایت نامعقول ثابت ہوتے ہیں۔ ملازمت تو خیر مل جاتی ہے، مگر اجلاس کے کٹہرے میں اس طرح بیٹھتے ہیں جیسے طوطا اپنے پنجرے میں چنے کی دال کی کلیا پر بیٹھا کھا رہا ہو نہ ان میں اختراع اور جدت کی صلاحیت ہوتی ہے نہ کسی قسم کی اپج۔ بس لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اور صورت سے یتیمی برستی ہے، برعکس ان کے وہ طالب علم جو کالج میں صرف پڑھتے ہی نہیں اور بھی بہت کچھ کرتے ہیں۔ خواہ پڑھے لکھے کتابی نہ ہوں لیکن بہت کچھ ضرور

www.taemeernews.com

ثابت ہوتے ہیں۔ عجیب مصروف زندگی ہوتی ہے۔ان مرنجاں مرنج طالب علموں کی۔کہیں ٹیم جارہی ہے۔ اور وہ بھی ساتھ ہیں راستے میں شرارتیں ہورہی ہیں جس شہر میں ٹیم گئی ہے۔ وہاں کی سیر، دعوتیں، پھر میچ کا معرکہ۔کالج میں ہیں تو آج یونین کے انتخابات کی سیاست کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔کل بھی مشاعرے کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن ہیں۔ پرسوں یونیورسٹی پارلیمنٹ کی حزب مخالف کے رکن رکین ہیں۔ اگر کافی فیل ہوئے تو طالب علموں کے علاوہ پروفیسروں کے بھی دوست ہیں جو نئی قسم کے طالب علموں کے والدین بنے ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ عجیب ہنگامہ خیز مصروفیت ہوتی ہے اور زندگی تجربوں سے مالامال ہوتی رہتی ہے۔

کچھ اسی قسم کی زندگی کالج میں اختیار کر رکھی تھی اور یہ طے تھا کہ جلدی کا کام شیطان کا ہم تو اطمینان سے ذرا سیر کرتے ہوئے کالج سے نکلیں گے اور طالب علم جو نصاب سال بھر میں گھاس کاٹنے کی طرح ختم کر دیا کرتے تھے۔اس کو ہم دل لگا کر دو سال میں ختم کر رہے تھے کہ پہاڑ سر پہ یہ ٹوٹا کہ والد صاحب عمر دغا دے گئی اور ہم کو کالج چھوڑنا ہی پڑا۔مگر اتنے دنوں تک کالج میں رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے شہر میں ایک قسم کی دھاک سی بیٹھ گئی۔ احباب واعزہ کو جب کالج کے قصے سنانے بیٹھ جاتے تو بڑا اثر ہوتا سب پر۔ ان ہی قصوں میں ایک قصہ کرکٹ کے متعلق بھی تھا کہ کالج چھوڑنے سے ہم کو صرف یہ نقصان پہنچا ہے کہ تعلیم ادھوری رہ گئی مگر خود کالج کو یہ نقصان پہنچا ہے کہ اب مدت تک اس کو کرکٹ کا کپتان نہ ملے گا۔ اتفاق سے یہ قصہ مقامی کرکٹ ٹیم کے کپتان صاحب کو سُنا رہے تھے جن کو یہ خبر نہ تھی۔کہ کرکٹ ٹیم کے ساتھ خود اپنے خرچ سے اِدھر اُدھر جانے کا اتفاق تو ضرور ہوا تھا۔مگر آج تک کرکٹ کا بلا چھونے کی نوبت نہ آئی تھی مگر سوال تو یہ تھا کہ وہ شہر کے مقامی کرکٹ ٹیم کے کپتان ان سے آخر

www.taemeernews.com

ہم بات کرتے تو کیا کرتے ۔ اور اتنے دنوں تک علیگڈھ میں رہنے کا رعب جماتے تو کیسے جماتے ۔ ان کے نزدیک علی گڑھ کالج میں سوائے کرکٹ کھلانے کے اور کچھ گویا سکھایا ہی نہ جاتا تھا ۔ دھوم تھی علیگڈھ کرکٹ ٹیم کی لہٰذا اگر وہ ہمارے قائل ہو سکتے تھے تو صرف اس طرح کہ ہم اپنے کو اسی مشہور و معروف ٹیم کا کپتان ثابت کریں ۔

مقامی ٹیم کے کپتان صاحب نے کہا ۔ کیا بات ہے ۔ صاحب علیگڈھ کی ٹیم کی ۔ تو گویا آپ کپتان تھے اس کے ۔۔۔

عرض کیا ۔ "زندگی عذاب تھی صاحب آج بمبئی جا رہی ہے ٹیم تو کل دہلی اور پرسوں کلکتے ۔ دو مرتبہ تو ولایت جانے کے لئے بھی اصرار ہوا بمشکل جان چھڑائی اپنی بات پوچھی کہ ایک مرتبہ بمبئی میں ایک معرکہ کا میچ ہوا اتفاق سے سب سے پہلے میں ہی کھیلنے گیا ۔ اب جناب ہوا یہ کہ میرے علاوہ دس کے دس کھلاڑی آؤٹ ہو گئے اور میں سات سو رن بنا کر ناٹ آؤٹ واپس آیا ۔۔۔"

کپتان صاحب نے گویا آؤٹ ہوتے ہوئے کہا "جی کیا کہا سات سو رن ناٹ آؤٹ"

نہایت انکسار سے عرض کیا "ناٹ آؤٹ تو خیر اکثر رہا ہوں البتہ رن سب سے زیادہ ملیں یہی سات سو بنائے ۔ اس کے بعد کلکتہ میں بنائے تھے پانچ سو چھیاسی رن ۔"

وہ (اور بھی حیرت سے بولے) "پانچ سو چھیاسی حیرت ہے صاحب"

اور وہ اسی حیرت میں غرق چلے گئے ہم کو کیا معلوم تھا کہ یہ معصوم قسم کا وقتی جھوٹ رنگ لا کر رہے گا ، چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد وہ چار پانچ کرکٹ کے کھلاڑیوں کا ایک وفد لے کر تشریف لے آئے ۔ سب سے اس خاکسار کا تعارف کرایا گیا

www.taemeernews.com

گویا محض ہمارے بھروسے پر ٹیم ٹورنامنٹ میں داخل کردی ہے اور طے یہ کیا ہے کہ کپتان آپ ہی رہیں گے۔ لاکھا انکار کیا، بہت کچھ سمجھایا کہ کرکٹ چھوڑے مدت ہوچکی ہے۔ مگر تو یہ کیجئے یقین کون کرتا تھا۔ وہاں حساب لگائے بیٹھے تھے کہ ہاتھی لاکھ لٹے کا۔ پھر بھی سوا لاکھ کا۔ سات سو اور پانچ سو چھیاسی رن نہ سہی، دو ڈھائی سو تو مشق چھوٹنے پر بھی بنا ہی لیں گے مختصر یہ کہ کوئی عذر مسموع نہ ہوا اور آخر سر تسلیم خم کرنا ہی پڑا۔

شامتِ اعمال پہلا ہی میچ ان انگریزوں سے پڑا۔ جو سچ پوچھئے تو اس کھیل کے موجد ہیں اور ان کے بولر ایسے ظالم کہ گیند کیا پھینکتے تھے گویا توپ کا گولہ پھینک رہے ہیں، ٹاس میں ہم لوگ جیت چکے تھے اور ہماری ٹیم کھیل رہی تھی، کھیل کیا رہی تھی چاندماری بنی ہوئی تھی چار کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے اور رن کل آٹھ بنے تھے، یہاں یہ حال کہ ایک تو احتلاج کا مرض یوں ہی ہے دوسرے نہ بھی ہوتا تو ظاہر ہے کہ علاوہ عزت و آبرو کے یہ تو کچھ موت اور زندگی کا سوال بنتا جارہا تھا۔ اگر ان ظالموں کا گیند ذرا بھی اِدھر یا اُدھر ہوگیا تو والد صاحب کی روح سے جب عالمِ بالا میں ملاقات ہوگی تو وہ کیا کہیں گے کہ کیوں بیٹا یہی وعدہ تھا تمہارا مگر سوال تو یہ تھا کہ اب کرہی کیا سکتے تھے چھٹے کھلاڑی کے آؤٹ ہوتے ہی اب ہم کو جانا تھا۔ کلمۂ شہادت پڑھ کر لگ گارڈ بندھوائے جس طرح دوسروں نے بیٹ سنبھالا تھا ہم نے بھی بیٹ سنبھالا اور اب جو اپنے کھلاڑی کے ساتھ روانہ ہوئے تو مجمع نے "کپتان ان" کا نعرہ بلند کیا اور تالیوں سے فضا گونج اٹھی ان تالیوں سے طائرِ روح اور بھی مائلِ پرواز ہوگیا بالکل یہ معلوم ہورہا تھا کہ جیسے کسی قتل کے مجرم کو پھانسی کے تختے کی طرف لے جارہے ہیں دل میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے۔ کہ جدِ اعلیٰ ایک جہاد میں گھوڑے کی پیٹھ پر لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ ایک اور

www.taemeernews.com

بزرگ محبت میں ناکام رہ کر دریا میں ڈوبے تھے باقی تمام افرادِ خاندان بستر مرگ پر موت کی کروٹ لے کر اس جہان سے ..... اُس جہان کو سدھارے تھے مگر ہماری قسمت میں کرکٹ کی موت لکھی تھی۔ بہرحال دل کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ موت برحق تو ہے ہی اگر کرکٹ کی راہ میں فنا ہو گئے تو اتنے تماشائی نمازِ جنازہ کے لئے مل جائیں گے لوگ تالیاں بجا بجا کر آسمان سر پہ اٹھائے ہوئے تھے اور کپتان صاحب کا قلب باؤنڈیاں مار رہا تھا۔ بمشکل تمام وکٹ تک پہنچے اور جس طرح دوسروں نے سینٹر لیا تھا ہم نے بھی اس رسم کو پورا کیا حالانکہ ہمارے ایسے کھلاڑی کے لئے اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ سنٹر لے چکنے کے بعد اس دلچسپ دنیا کو ایک مرتبہ پھر حسرت بھری نظر سے دیکھا۔ دل نے کہا۔ ؎

چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

اب جو اس گیند پھینکنے والے ملک الموت کو دیکھتے ہیں تو جی چاہا کہ چکرا کر گر پڑیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ایک عظیم الشان چقندر سامنے کھڑا ہے وہ اس وقت کوہِ آتش فشاں نظر آ رہا تھا۔ دل نے کہا کہ اگر اس کے گیند سے واصل بحق ہو گئے تو جنت تک رن بناتے چلے جائیں گے، ہمت کر کے بیٹ پر جھکے، ادھر وہ گیند لے کر بڑھا ہی تھا کہ ہم پھر کھڑے ہو گئے اور موت کچھ دیر کے لئے التوا میں پڑ گئی۔ مگر بچرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔ کھیلنے کے لئے تیار ہونا ہی پڑا اور بیٹ پر جھک کر آنکھیں بند کر لیں، دوسرے ہی لمحے محسوس یہ ہوا کہ جیسے ان ہاتھوں میں جن سے بیٹ تھامے ہوئے تھے ایک برقی لہر سی دوڑ گئی اور مجمع نے تحسین و آفریں کا شور بلند کیا۔ معلوم ہوا کہ گیند آیا اور بیٹ سے چھو کر کچھ ایسے زاویہ سے نکل گیا کہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوئی کہ یہ کٹ ہماری استادی کا نتیجہ ہے، دو رن خواہ مخواہ بن گئے۔ کاش ایک ہی رن بنا ہوتا اور ہم اس خوفناک بولر کی زد سے

www.taemeernews.com

بچ گئے ہوتے۔ نتیجہ یہ کہ پھر کھیلنے کے لئے تیار ہونا پڑا اور جی کڑا کرکے اب کی مرتبہ طے کر لیا کہ ایسی بھی کیا بزدلی مرنا ہی ہے تو نام کر کے مریں گے۔ اب کی مرتبہ ہٹ لگائیں گے۔ چنانچہ بجائے جم کے بیٹ رکھنے کے بیٹ تان کر کھڑے ہو گئے۔ مجمع نے شور مچایا۔ ساتھیوں نے پریشان ہونا شروع کر دیا۔ خود مخالف کھیلنے والوں کو حیرت ہوئی مگر ہم اپنے ارادے سے باز نہ آئے۔ چنانچہ اب جو گیند آتا ہے اور ہم ہٹ لگاتے ہیں تو سارا مجمع فیلڈ میں ٹوپیاں اچھالتا ہوا چلا آیا۔ قہقہوں سے فضا گونج اٹھی اور ہوش میں آنے کے بعد پتہ چلا کہ کیچ کرنے والے نے بجائے گیند کے بلّے کا کیچ کیا تھا اور گیند خود ہمارے لیگ گارڈ میں محفوظ تھا۔ مخالف ٹیم اس کو اپنی تذلیل سمجھ رہی تھی کہ یہ کھیل نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ بمشکل تمام ان لوگوں کو سمجھایا گیا کہ مشق چھوٹی ہوئی ہے ورنہ علیگڈھ کی ٹیم کے وہ کپتان ہیں جو سات سو رن بنایا کرتے تھے۔ ایمپائر نے تعصب سے کام لے کر ہم کو آؤٹ قرار دیا اور ہم اسی حالت میں اسی وقت گھر پہنچا دیئے گئے۔ اس لئے اب تک کرکٹ کا نام سن کر غش آجاتا ہے۔

ختم شد

www.taemeernews.com

اے دلربا تیرے لئے

شوکت تھانوی